ارشادات حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ (مجدد صد چہاردہم)

خدا شوخی اور چالاکی کو پسند نہیں کرتا وہ متقیوں پر رحم کرتا ہے

وہ خدا جو آنکھوں سے پوشیدہ مگر سب چیزوں سے زیادہ چمک رہا ہے۔ جس کے جلال سے فرشتے بھی ڈرتے ہیں وہ شوخی اور چالاکی کو پسند نہیں کرتا اور ڈرنے والوں پر رحم کرتا ہے۔ سو اس سے ڈرو اور ہر ایک بات سمجھ کر کہو تم اس کی جماعت ہو جن کو اس نے نیکی کا نمونہ دکھانے کے لئے چنا ہے سو جو شخص بدی نہیں چھوڑتا اور اس کے لب جھوٹ سے اور اس کا دل ناپاک خیالات سے پرہیز نہیں کرتا وہ اس جماعت سے کاٹا جائے گا۔ اے خدا کے بندو! دلوں کو صاف کرو اور اپنے اندرونوں کو دھوڈالو تم نفاق اور دورنگی سے ہر ایک کو راضی کر سکتے ہو۔ مگر خدا کو اس خصلت سے غضب میں لاؤ گے اپنی جانوں پر رحم کرو اور اپنی ذریت کو ہلاکت سے بچاؤ کبھی ممکن ہی نہیں کہ خدا تم سے راضی ہو۔ حالانکہ تمہارے دل میں اس سے زیادہ کوئی اور عزیز بھی ہے اس کی راہ میں فدا ہو جاؤ اور اس کے لئے محو ہو جاؤ۔ اور ہمہ تن اس کے ہو جاؤ اگر چاہتے ہو کہ اسی دنیا میں خدا کو دیکھ لو۔ کرامت کیا چیز ہے؟ اور خوارق کب ظہور میں آتے ہیں؟ سو سمجھو اور یاد رکھو کہ دلوں کی تبدیلی آسمان کی تبدیلی کو چاہتی ہے۔ وہ آگ جو اخلاص کے ساتھ بھڑکتی ہے وہ عالم بالا کو نشان کی صورت پر دکھلاتی ہے۔ (راز حقیقت صفحہ ۵۷۴ مطبوعہ ۳۰ نومبر ۱۸۹۸ء)

اداریہ

حضرت مولانا محمد علیؒ نے جس پودے کی حفاظت کی ہمیں اسے پروان چڑھانا ہے

13 اکتوبر کا دن احمدیت کے لئے وہ بھاری اور بوجھل دن ہے کہ حزن و ملال کے زخم دوبارہ تازہ ہو جاتے ہیں۔ اس دن مسیح موعودؑ کی تربیت کا شاہکار وہ بطلِ جلیل جس نے قرآن کریم اور دین اسلام کی روشن اور حقیقی تصویر کا ہر شاندار پہلو دنیا کے سامنے پیش کیا اور مسیح موعودؑ کی جماعت کو گمراہی کی کھائی میں گرنے سے نہ صرف بچایا بلکہ آپؑ کے اصل مقام و منصب سے روشناس کروایا اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گیا۔

حضرت مولانا محمد علیؒ نے 1902ء سے حضرت مسیح موعودؑ کے زیر ہدایت خدمت دین کا کام شروع کیا، ابتداء میں رسالہ ریویو آف ریلیجنز کے ذریعہ دین کا پیغام مغربی دنیا میں پہنچایا۔ پھر قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کے ذریعہ نہ صرف انگریزی بلکہ ان نو تعلیم یافتہ لوگوں کو جن کا ایمان قرآن کریم سے اٹھ چکا تھا، نور ایمان سے منور کیا، اُردو ترجمہ قرآن، حدیث، سیرت، فقہ اور کئی مختلف مسائل پر انگریزی اور اردو کتابیں لکھ کر مسیح موعودؑ کے مشن کو تکمیل تک پہنچایا، جس کی وجہ سے حضرت مولاناؒ اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کی شہرت دنیا میں پھیل گئی اور تمام دنیا میں دینی مسائل کے متعلق آپ کو سند مانا جانے لگا۔ یہ سب کچھ ان انفاس طیبہ کا نتیجہ تھا جو مسیح وقت نے آپ کے اندر پھونکے۔ جس کا آپ نے ہمیشہ اعتراف کیا چنانچہ انگریزی اور اُردو قرآن کے دیباچوں میں اس کا کھلا ذکر موجود ہے اور یہ کہنا بے جا نہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت مولانا نورالدین رحمتہ اللہ علیہ کے علمی و روحانی اثرات آپ کے اندر اس قدر سرایت کر گئے کہ آپ کے وجود میں بھی مجددیت کا رنگ پیدا ہو گیا۔

1914ء میں حضرت مولانا نورالدین رحمتہ اللہ علیہ کی وفات پر مسیح موعودؑ کی جماعت ایک ایسے گڑھے میں گرنے والی تھی جہاں اس کی اصل حیثیت اور مسیح موعودؑ کی صحیح پوزیشن بگڑ کر کچھ کا کچھ بن جاتی، اس وقت آپ نے جماعت کی غالب اکثریت کی مخالفت اور طرح طرح کے خطرات کا سامنا کرتے ہوئے ایک ایسی آواز اٹھائی جس کو دنیا نے حیرت سے سنا اور آپ کی ہمت و جرات پر آفرین کہے بغیر نہ رہ سکی وہ آواز یہ تھی کہ مسیح موعودؑ کا دعوے نبوت نہیں، آپ کو نہ ماننے کی وجہ سے کوئی شخص کافر نہیں ہو سکتا، نبوت ختم ہو چکی اور خاتم النبیین صلعم کے بعد کسی قسم کی نبوت کا اجراء ناممکن ہے۔

حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ ایک بیدار مغز انسان تھے، عزم راسخ کے مالک اور یقین محکم کا پیکر تھے، ان کے ایمان و یقین کو دنیا کا بڑے بڑے سے بڑا حادثہ متزلزل نہ کر سکا۔ اس عزم راسخ کو کہ یورپ امریکہ میں دینی مشن قائم کئے جائیں، دینی لٹریچر اور تراجم قرآن دنیا میں پھیلائے جائیں بڑی سے بڑی مخالفت توڑ نہ سکی، یہاں تک کہ کئی موقعوں پر سخت ترین مالی مشکلات کی وجہ سے ان کاموں کا کرنا ناممکن ہو گیا، لیکن آپ کے عزم راسخ اور پیہم مساعی نے ان کو دور کر دیا، یہی عزم راسخ اور یقین و ایمان آپ نے جماعت کے اندر پیدا کیا اور یہ کہنا بے جا نہیں کہ جس کام کو لے کر آپ اٹھے تھے اس کو تکمیل تک پہنچا کر کامیاب اس دنیا سے گئے، ایسی ہستیاں بہت کم دنیا میں پیدا ہوتی ہیں۔

یاد رکھیئے! خدا کے کاموں میں کوئی شریک نہیں، بڑے سے بڑا انسان دنیا سے گذر جاتا ہے خدا کے کام چلتے رہتے ہیں، جس کام کو لئے آپؒ کھڑے ہوئے تھے وہ صرف حضرت مولانا محمد علیؒ کا ہی نہ تھا، وہ خدا کا کام تھا اور ہے اور ہم میں سے ہر ایک اس کا ذمہ دار ہے، حضرت مسیح موعودؑ نے اور ان کے بعد مولانا محمد علیؒ نے جس انجمن کو خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین قرار دیا وہ انجمن اب بھی موجود ہے اور بفضل الٰہی سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ اس کام کو چلا رہی ہے کسی قسم کی مایوسی کا شکار ہونے کی کوئی وجہ نہیں نہ وسوسوں پر کان دھرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیشہ اس صحابیؓ کے قول کو پیش نظر رکھیں جس نے رسول اللہ صلعم کی شہادت کی غلط خبر سن کر بڑی جرأت کے ساتھ کہا ''آؤ ہم بھی اس مقصد کے لئے لڑیں جس مقصد کے لئے حضرت نبی کریم صلعم لڑتے تھے'' آیئے ہم سب مولانا محمد علیؒ کے نقش قدم پر چلیں۔

خطبہ جمعۃ المبارک

فرمودہ حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

برموقع ''سالانہ تربیتی کورس'' بمقام جامع دارالسلام لاہور، مورخہ 06 جولائی 2018ء

ترجمہ: اللہ بے انتہاء رحم والے، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔

''موسیٰؑ نے کہا میرے رب! میرا سینہ کھول دے۔ اور میرا کام میرے لئے آسان کردے۔ اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ میری بات کو سمجھ لیں'' (سورۃ طٰہٰ آیات 25 تا 28)

اس آیت کا ترجمہ انگریزی اور اُردو کی تفاسیر میں جب پڑھا جاتا ہے تو کافی مختلف الفاظ استعمال ہوتے ہیں مثلاً **رب اشرح لی صدری** کو حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ کی انگریزی تفسیر میں ترجمہ کیا گیا ہے، **My Lord, expand my breast for me**

میں نے انگریزی قرآن کا ترجمہ جو حضرت سید اسد اللہ شاہؒ صاحب نے کیا ہے اور جس کی فوٹو کاپی میرے پاس موجود ہے کا خطبہ کی تیاری کے دوران مطالعہ کیا۔ اس ترجمہ کا کچھ پس منظر بیان کرتا چلوں۔ کیونکہ اس قرآن کے ترجمہ کے دوران وہ ایبٹ آباد میں بھی قیام کیا کرتے تھے اور یہ اکثر سننے میں آتا تھا کہ جس وقت وہ ترجمہ کے دوران بہت توجہ کرتے ہیں تو کچھ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہاماً بتا دیا جاتا ہے۔ یہ ترجمہ انہوں نے کشمیر کے قیام کے دوران شروع کیا جب مولانا محمد علی صاحب، ڈاکٹر بشارت احمد صاحب، میاں نصیر احمد فاروقی صاحب اور ملک سعید احمد صاحب کے دادا وہاں گئے ہوئے تھے۔ ملک سعید احمد صاحب مرحوم نے مجھے بتایا کہ شاہ صاحب نے کچھ عرصے بعد کہا کہ کچھ کرنے کو نہیں ہے میں واپس جانا چاہتا ہوں۔ غالباً ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے کہا کہ آپ قرآن کا انگریزی میں ترجمہ کیوں نہیں کر لیتے تو انہوں نے کہا کہ یہ تو حضرت امیر (مولانا محمد علی صاحبؒ) کر چکے ہیں تو انہوں نے کہا کہ اگر انہوں نے کرلیا ہے کہ تو کیا اور کوئی نہیں کرسکتا؟ آپ بھی ضرور کریں اور اس میں مولانا محمد علی صاحب نے بھی تائید کی اور انہوں نے یہ سلسلہ شروع کردیا جو چلتا رہا۔ ہر صفحہ پر ایک طرف انہوں نے انگریزی میں سارا قرآن ہاتھ سے لکھا اور دوسری طرف اس کا ترجمہ۔ وہ ترجمہ سب انگلش ترجموں سے مختلف ہے لیکن جو الفاظ تراجم میں لکھے جاتے ہیں واللّٰہ عالم کونسا ترجمہ اللہ کی نظروں میں قریب ترین ہے؟ اپنے ترجمہ میں جو انہوں نے لکھا ہے وہ قابل غور ہے۔ وہ **رب اشرح لی صدری** کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔

Make my heart contentious with me and my duty convenient to me and remove the influency from my tongue that they my catch my thought"

Contentious کا مفہوم:

Contentious چیز وہ ہوتی ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہو۔ اگر آپ ایک لائن دیکھیں تو وہ الفاظ سے بنتی ہے اور جو الفاظ پاس پاس ہوتے ہیں ان کے ملنے سے ایک لائن بنتی ہے اور دور کے نکتوں کو سیدھا ملائیں تو سیدھی لائن بنتی ہے جس کو ہم صراط المستقیم کہتے ہیں۔ Contentious کا مطلب یہ ہے کہ ملا ہوا۔ تو یہ دُعا یوں ہوئی کہ میرا دل، میری روح، میرا باطن، میرے خیالات یہ سب کو ایک کردے۔ جو میری سوچ ہے یا جو میرے دل کی سوچ ہے اس کو میری سوچ بنا ڈال اور ایسا کردے کہ میرے ذمے جو فرض لگایا جا رہا ہے یعنی کہ نبوت دی جارہی ہے۔ اُس کا متعلقہ کام میرے لئے آسان کردے۔

نبوت کے فرائض کو نبھانا بہت مشکل کام ہے۔ وہ کون ہوگا جو شوق سے

دعائیں مانگ مانگ کر نبوت مانگے گا۔ یہ تو ایسی چیز ہے جو انسان کے اوپر لرزہ طاری کر دیتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے عظیم اور آخری نبی کہہ اُٹھے کہ میرے اوپر کمبل اوڑھو۔ نبوت کے ساتھ بہت بڑی ذمہ داری کا احساس ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُسی کیفیت سے اُس وقت گذر رہے تھے اور آپ نے یہ دعا مانگی۔ ''اور میری زبان میں ادا نہ کر دینے کی قوت کم ہے اس کو بھی دور کر دے تا کہ جو کچھ کہوں دوسرا اُس کو سمجھ پائے۔

اور یہ دعا کتنی موثر ہوئی کہ وہ جادوگر جو انعام لینے آئے تھے وہ اللہ کے حضور سجدہ میں گر گئے کہ ہم تو موسیٰ اور ہارونؑ کے خدا کو مانتے ہیں اس پر ایمان لاتے ہیں اور ایسا پختہ یقین ہو گیا جس کو ہم کہتے ہیں کہ ''ایمان بالقلب'' ہو گیا۔ ایک ''ایمان باللسان'' ہے جو زبان سے اقرار کر دینا اور کہہ دینا کہ ''لا الہ الا اللہ'' یہ زبانی زبانی اقرار ہے۔ لیکن اگر لا الہ الا اللہ دل میں اُتر جائے جس کو بندۂ مومن مرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اس حد تک اس دعا نے قبولیت پائی کہ وہ جن کے ساتھ مقابلہ ہوا وہ ایمان لے آئے اور ایسا ایمان لے آئے کہ انہوں نے کہا کہ ہمارے بیشک ہاتھ، پاؤں مختلف سمت میں کاٹ دو، ہمیں بیشک کھجور کے تنوں کے ساتھ لٹکا دو، اب ہمارا یقین پختہ ہے اس کو ہم تبدیل نہیں کر سکتے۔

اس زمانے میں ایمان بالقلب کا نمونہ ہم حضرت سید عبداللطیف شہید میں پاتے ہیں۔ ایک دفعہ یقین آ گیا تو پھر ترجیح دی کہ سنگسار ہو جانا منظور ہے، آدھا زمین میں گاڑ کر پتھر کھا کھا کر شہید ہو جانا منظور ہے لیکن جو ایمان میرے دل میں داخل ہو چکا ہے اس کو میں نہیں چھوڑ سکتا۔ اس کو ہم کہیں گے کہ ان کا دل اُن کے خیالات کے ساتھ Contentious ہو گیا۔ اب ان کو کوئی ڈرا نہیں سکتا تھا۔ دل اس چیز پر مکمل یقین رکھ بیٹھا تھا کہ اب مجھے اس دین سے کوئی ہٹا نہیں سکتا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰؑ کی تعلیم کا بندوبست:

حضرت موسیٰؑ کے ہاتھوں حادثاتی قتل سرزد ہوا۔ کیونکہ فرعون ایک جابر بادشاہ تھا وہ موسیٰ علیہ السلام کو قید کر کے ہر کچھ کر گزرنے کی طاقت رکھتا تھا تو آپ دوسرے مقامات کی طرف چلے گئے اور وہاں سے پہنچنے سے پہلے اور وہاں کے قیام کے دوران آپ کے لئے اللہ تعالیٰ نے تعلیم کے مواقع فراہم کئے۔ سورۃ طٰہٰ اور سورۃ الکہف میں اُس تعلیمی سفر کا ذکر اللہ تعالیٰ نے محفوظ کر دیا ہے۔ حضرت خضرؑ بھی استاد ہیں اور مدین کے حضرت شعیبؑ بھی اور اسی میں **رب زدنی علما** کی دعا بھی آ جاتی ہے اور اس میں ''**رب شھر لی صدری ویسسر لی.... قولی**'' جیسی عظیم دُعا بھی آ جاتی ہے۔ جیسے کہ پورا ایک تعلیمی ادارہ ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کے منشاء کے تحت تعلیم کا مزید پہلو کہ وہ محل میں بڑے ہو رہے ہیں، پرورش پا رہے ہیں اور تربیت حاصل کر رہے ہیں۔ آپ کی تعلیم کے دوران Inter Active Teaching and Learning کا پہلو بھی ہے یعنی استاد اور شاگرد کے درمیان باہمی سوالات جوابات کے ذریعہ سیکھنے کا طریقہ، جو حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان گفتگو ہو رہی ہے اور اس کے علاوہ Didactic یعنی معلمانہ طریق بھی جہاں پر سبق کے دوران شاگرد خاموش اور توجہ سے سنے اور سیکھے اور سوال بعد میں پوچھے۔ یہ حضرت خضر علیہ السلام کا طریقہ تعلیم ہے۔

قرآن میں انبیاء کی دعاؤں کی اہمیت:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نبوت حاصل ہونے کے بعد پہلی دُعا کو سورۃ طٰہٰ میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا اور قبولیت عطا فرما دی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''تم اپنے رب کو پکارو تو وہ تمہاری دعا سنتا ہے'' (المومن آیت 60)۔ آپ نے بھی اپنے رب کو پکارا ''**رب شھر لی صدری ویسسر لی.... قولی**'' دعا میں اللہ تعالیٰ کو رب کہہ کر مخاطب کرنے میں یہ حکمت ہے کہ علم وہ چیز ہے جو تدریجاً بتدریجاً حاصل ہوتا ہے اور کبھی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں اُس علم کی انتہاء پا گیا۔ رسول کریم صلعم کو بھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ **وقل رب زدنی علما** اور انہوں نے یہ دُعا کی اور اس دعا کو قبولیت حاصل ہوئی۔

قرآن کریم میں نبیوں کے حوالہ سے جتنی دعائیں ہیں، وہ صرف اُن تک

محدود نہیں، اُن کو قرآن میں اس لئے شامل کیا گیا کہ ایک طرف ہمیں یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ واقعی سب کی دعائیں سنتا ہے، نبیوں کی دعاؤں کو بھی سنتا ہے اور اُن کے ماننے والوں کی بھی سنتا ہے اور جو اُس کو مانتے بھی نہیں اور پھر بھی کبھی کبھی منہ سے دعا نکال لیتے ہیں اس کو بھی وہ قبولیت عطا فرماتا ہے۔''

جہاں ایک طرف دعاؤں کے سنے جانے کا پہلو ہے وہاں دوسرا پہلو یہ ہے کہ ان دعاؤں کو ایک نسخہ سمجھ لو اور خدا کی طرف سے ایک مسئلے کا حل بھی اور اسی اضطراب کی حالت کو جو نبی پر گزری اسے وارد کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جائے۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ کی کتاب ''مسیح ہندوستان میں'' میں لکھا ہے کہ: ''مسیح نے اضطراب کی حالت میں صلیب پر چڑھنے سے پہلے دعائیں کیں۔ اس لئے وہ قبول ہوگئیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اضطراب کی دعائیں مسترد نہیں کرتا اس لئے وہ صلیب سے زندہ بچ گئے۔ یہ دعا کی ایک شرط ہے کہ اس میں اضطراب شامل ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو اس وقت چیلنج تھا اور جو مشکل اس وقت اُن کے سامنے تھا اس کا اُن کو احساس تھا اور ہم بھی احساس کر سکتے ہیں کہ ایسا مشن کسی کو مل جائے جس کے حصول میں جان تک کو خطرہ ہو تو انسانی دل کا کیا حال ہو سکتا ہے؟

یہ دعا مانگنے کے وقت کی ضرورت تھی اور اس تقاضا کے مطابق انہوں نے یہ دعا مانگی اور وہ جب ایک بہت خطرناک، ظالم بادشاہ کے سامنے تبلیغ کے لئے حاضر ہوئے تو یہ بظاہراً ایک ناممکن کام تھا کہ اور یہ خوف تھا کہ وہ اُن پر فتح نہ پا جائے۔ آپؑ کے ذمہ یہ مشن تھا کہ بنی اسرائیل کی غلام قوم کو اُن کے ساتھ روانہ کیا جائے اور فرعون ایمان بھی لائے۔ کس قدر بڑا مطالبہ ہے۔ اس دعا میں اگر ہم دیکھیں تو نہایت عاجزی نظر آتی ہے۔ نبی بن جانے کے باوجود پوری طرح اُن کو احساس ہے کہ اگر کوئی مدد کر سکتا ہے تو وہ اللہ ہی ہے وہ تو کچھ نہیں صرف اللہ تعالیٰ ہی مدد دینے کے قابل ہے۔

اگر کسی نے یہ نسخہ آزمانا ہے تو یہی حالت اور یہی یقین دل میں لانا پڑے گا۔ توجہ فرمائیں کہ موسیٰ کی دعایوں کی جارہی ہے ''یارب نہ میرے اندر زبان کی روانی ہے، نہ میں اس قابل ہوں، مجھے خوف بھی آتا ہے''۔

چھوٹی سی نوکری بھی مل جائے اور کوئی فرض شناس ہو اور اس کا ضمیر اس کو کہتا ہو کہ یہ فرض پوری طاقت سے نبھانا ہے تو اس کے لئے یہ مشکل بن جاتی ہے کہ کیسے میں اپنے اس فرض کو نبھا سکوں گا۔ جتنا بڑا منصب ہو اتنی بڑی دعا کی ضرورت ہوتی ہے اور اُتنا ہی ڈر پیدا ہوتا ہے اور اُتنی ہی اللہ تعالیٰ سے اُمید پیدا ہوتی ہے کہ اس کی مدد کے بغیر ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتا۔ تو انسان کو جب ایسا احساس ہو تو اس کی حالت میں اضطراب بھی آتا ہے اور سینے کے اندر ایک گھٹن سی محسوس ہوتی ہے اور زبان کے اندر خشکی سی محسوس ہوتی ہے۔

سینے کی گھٹن محض فرض شناسی کی وجہ سے نہ کہ خوف کی وجہ سے ہوتی ہے، یہ کمزوری نہ تھی بلکہ اُن کا خوف یہ تھا کہ کہیں میں اپنا فرض نبھا نہ سکوں تو کیا ہوگا۔ کیونکہ نبوت بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ اللہ تعالیٰ جب نوازتا ہے تو ساتھ اس کے سارے سامان بھی مہیا کر دیتا ہے۔ کسی کو کوئی منصب ملے جو وہ اس کو دل سے کرنا چاہے تو اُس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو جاتی ہے اور یہ اضطرابی حالت جب پیدا ہوتی ہے تو انسان کی دعاؤں میں اثر بھی آ جاتا ہے اور قبولیت بھی آ جاتی ہے۔ اضطراب اُس احساس کا نام ہے جس میں بے چینی، گھبراہٹ اور بے تابی محسوس ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اضطراب تھا تو انہوں نے سب سے پہلے یہ دعا مانگی۔ اُن کی نبوت کے بعد جو سب سے پہلے الفاظ نکلے **رب شھــــر لـــی صـــدری** یعنی **My Lord make my heart Contentious with me** (جو حضرت سید اسد اللہ شاہ صاحب کا ترجمہ ہے۔) یہ دعا اُسی حالت کی ہے کہ میں اور میرا دل یکساں ہوں اور میں جو کہوں اس پر میرا اکمل یقین بھی ہو۔

اس دعا کو اگر میں یوں بیان کروں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرما رہے ہیں ''**رب اشرح لی صدری.....قولی**'' ایک اضطراب کی حالت میں

مانگ رہے ہیں کہ ''یا اللہ تو میرے علم سے بھی واقف ہے اور میری کمزوریوں سے بھی اور تو جانتا ہے کہ میں دین کا علم کتنا رکھتا ہوں۔ میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ تو مجھے علم کی گہرائیوں تک پہنچا دے اور مجھے ان کی سمجھ عطا فرما دے اور یہ کام جو تو نے میرے سپرد کر دیا ہے اس میں تو مجھے کامیابی عطا فرما دے۔ مجھے وہ ہمت اور حوصلہ عطا فرما کہ اس پیغام کو پہنچانے میں جو مشکلات ہیں انہیں میں برداشت کر سکوں۔ جیسے جیسے ضرورت پڑے تو میرے خیالات وسیع کرتا جا۔ میرا مقابلہ تیرے دشمن سے ہے، وہ ظالم، جابر بادشاہ ہے اور خدائی کا دعویٰ بھی کر رہا ہے۔ میں نے اس کو تبلیغ کرنی ہے۔ میرے رب میرا دشمن میرے اوپر فتح نہ پا سکے۔ میرے رب میرے دل کے اندر سے ڈر نکال دے۔ اور مجھے میرا مقصد حاصل کرنے میں کامیابی عطا فرما۔ میرے دل کو معلومات کا سمندر بنا دے۔ ضرورت کے مطابق میرے دل میں جس بات کے علم کی ضرورت ہو وہ اُتار دے۔ جب تو سینہ کھولتا ہے تو اس میں خیالات اس وقت نازل کرتا ہے جب ان سے تیرے مقصد کو پانے میں مدد ملتی ہے۔ اس کام کو کامیابی عطا فرما اور میرے دل کو حوصلہ، صبر، برداشت اور بے خوفی عطا فرما۔ میرے ذہن اور دل کو وسعت عطا فرما۔ میرے سینے کو وہ برداشت عطا فرما کہ میں رسالت کا بوجھ اُٹھا سکوں۔ تبلیغ ایسی کر سکوں کہ نرمی سے اپنا نظریہ بیان کر سکوں۔ اور کسی کے مقابلہ میں مجھے تبلیغ کرتے وقت غصہ نہ آئے اور ہر آنے والی سختی کی برداشت کر سکوں۔ گھبرا جانے سے محفوظ رکھ۔ اس کام کو جوش سے کروں اور اس میں کمی نہ آئے۔ میرے اندر سے خوف ختم کر دے۔ میں سوائے تیرے کسی سے نہ ڈروں اور تیری حفاظت میں یہ کام سرانجام دے سکوں۔ جو علم تو مجھے عطا فرمائے ان کے لئے اس سینہ کو وہ وسعت عطا کہ وہ علم اس میں سما سکے۔''

اگر ہم اس ایک لائن کی دعا پر غور کریں تو چند الفاظ ہیں ''رب شرح لی صدری....قولی'' اور اس کی تفسیر ہم کرتے جائیں تو ختم ہونے کو نہیں آتی، جو ضرورت نبی کو پیش آتی ہے، اس کے حالات کے مطابق اللہ تعالیٰ اُس کے قلب میں موضوع دعائیں ڈالتا ہے۔

بدر میں فتح کی خوشخبری آجانے کے باوجود نبی کریم صلعم سجدوں میں روتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آج یہ تھوڑے سے لوگ ختم ہو گئے تو تیرا دین ختم ہو جائے گا۔ جو حالات نبی، ولی اللہ پر آئیں گے اس کے مطابق اللہ تعالیٰ دعا کی توفیق عطا فرمائے گا۔ اتنی وسیع دعا موسیٰؑ نے فرمائی کہ آج کل بھی ہم اگر ارادہ رکھیں کہ ہم نے تبلیغ کرنی ہے تو ایسی دعاؤں کو استعمال کرنے کی اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین

رب اشرح لی صدری علم لدُنّی کی دعا ہے:

''رب اشرح لی صدری....قولی'' کو سمجھ کر دعا مانگنی چاہیے۔ یہ بہت اہم دعا ہے اس کو ہر شخص استعمال کر سکتا ہے اور دراصل یہ دعا کو ہم دیکھیں کہ اس میں موسیٰؑ کیا مانگ رہے تھے۔ آپؑ علم لدُنی مانگ رہے تھے۔ جس کو انگریزی میں Inspirational knowledge کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دلوں میں تحریک کرتا ہے جس سے انسان کے دل میں مخالفین کے سوالات کے جواب القا ہو جاتے ہیں اور وہ بڑی بڑی تقاریر اور تحریرات کرنے کے اللہ کی مدد سے قابل ہو جاتا ہے۔ اور یہی اللہ کی شان ہے اور یہ علم اگر ہم اُردو میں بیان کریں تو یہ وہ علم ہے جو خدا کی طرف سے براہ راست حاصل ہوتا ہے۔ سارے تسلیم کرتے ہیں کہ رسول کریم صلعم نے کسی ادارے میں تعلیم حاصل نہ کی تھی۔ جب ''اقراء'' کا حکم آیا تو جواباً کہتے ہیں کہ مجھے نہیں پڑھنا آتا مگر جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے علم لدُنی دیا تو تمام زمانہ حیران ہو گیا کہ آپ کہاں سے فلسفہ لے کر آگئے۔ اور قرآن جیسی کتاب یہ پڑھتے ہیں،، سمجھاتے ہیں اور اُس پر عمل کرتے ہوئے تبلیغ کرتے ہیں۔

اور جب مجدد زمان حضرت مرزا صاحب کو اس قسم کی Inspirational Knowledge اللہ کی طرف سے براہ راست پائی تو آپ کو بھی عربی، فارسی، اُردو میں روحانی علم پر عبور حاصل ہوا اور زمانہ حیران رہ گیا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسا ایمان اور عمل عطا فرمائے کہ ہمارے سینے بھی ان علوم سے بہرہ ور ہو سکیں۔ آمین

حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ اور آپ کا علم کلام

ملک بشیر اللہ خان راسخ (راولپنڈی)

دنیا کے تین بڑے مذاہب یہودیت، عیسائیت اور دین اسلام۔ تینوں ادیان کے پیروکاروں کو آسمان سے دوبارہ اُسی جسمانی حالت میں زمین پر واپس آنے والے برگزیدہ، پاک انبیاء علیہ السلام کا انتظار ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک کا وقفہ تقریباً تاریخ کے مطابق 1400 تا 1500 صد سال کا ہے۔ یعنی تقریباً ڈیڑھ ہزار سال ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت سے یا B.C سے تقریباً 500 تا 600 سال کے بعد خاتم النبیین و خاتم المرسلین افضل البشر سرور کائنات سرور الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے یعنی آج تک تقریباً 2000 ہزار سال عیسیٰ علیہ السلام کو گزرے ہوئے ہو چکے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دنیا سے رخصت ہوئے تقریباً 1450 تا 1500 سال ہو چکے ہیں۔ یہودیوں کو اب کل ملا کر 3500 سال سے (ایلیا، الیاس، الیاہ) ایک ہی نام ہے۔ نبی کے آسمان سے واپس آنے کا انتظار ہے۔ اور اپنی کتاب مقدس تورات کے مطابق یہودیت پر قائم ہیں۔

عیسائی بھی جو کہتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام مختلف درج اپنی 4 انجیلوں میں دونوں کا ذکر کرتے ہیں کہ اتنے دنوں میں 40 دن کوئی کچھ کہتا ہے۔ زندہ آسمان پر چلے گئے۔ اور اسی خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر موجود ہیں اور کسی وقت واپس آویں گے۔ 2000 ہزار سال سے آسمان پر نظریں لگائے (الیاس، ایلیا، الیاہ) کی آمد کے منتظر ہیں۔ اور ہم مسلمان بھی اسی طرح نبی پاک حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد 1500 تا 1400 صد سال سے اسی نظریہ عقیدہ کے مطابق کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے۔ ڈیڑھ ہزار سال سے آسمان پر نظریں جمائے بیٹھے ہیں کہ واپس آویں گے۔

عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں، فوت ہو گئے ہیں؟ یہ نہایت ہی توجہ کرنے سے علم ہوگا۔ اگر قرآن شریف زندہ ثابت کر دیتا ہے تو پھر آسمان پر اٹھا لیئے گئے جسمانی طور پر، لفظ جسمانی کو ہی قرآن شریف میں تلاش کریں گے۔ اور جسمانی طور پر آسمان پر اٹھا لئے گئے ہیں تو جسمانی طور پر ہی اُن کا اترنا زمین پر ہوگا یعنی نزول مسیح ہوگا اور نزول مسیح ہوتا ہے تو ختم نبوت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح جانچیں گے۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام با کتاب نبی اللہ ہیں اور جس طرح با جسم اور جتنی عمر اور جتنی صحت کاملہ کے ساتھ آسمان پر گئے ہیں اُسی حالت میں واپس آویں گے۔ یہ کسی جسمانی روحانی دینی، مذہبی تبدیلی کے ساتھ نزول ہوگا۔ اور جو نبوت کا تاج اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کو ملا اُس پر تو کوئی حرف آئے گا یا نہ آئے گا۔ وما قتلوہ وما صلبوہ ''نہ ہی قتل کیے گئے نہ ہی صلیب دیئے گئے'' کے قرآنی جملہ پر غور کریں۔

چونکہ یہودیوں نے لعنتی اور مردود قرار دے کر (نعوذ باللہ) عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھا دیا اور جسم میں میخیں ٹھونک دیں۔ اب اس نقطہ پر توجہ چاہیے۔ قتل: اقتلو۔ قتل کے اصل معنی روح کا جسم سے دور کرنا (امام راغبؒ) یا موت کا وارد کرنا، مارنے سے یا پتھر سے یا زہر سے یا اور کسی طرح پر (تاج العروس) مگر بعض وقت یہ معنی مراد نہیں ہوتے۔ مثلاً حدیث سقیفہ میں قتل اللہ سعد۔ قتل اللہ سعداً کے معنی ابن اثیر نے لکھے ہیں۔ ای رفع اللّٰہ شرہ یعنی اللہ تعالیٰ اس کے شر کو دور کرے اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا اقتلو اسعد اقتلہ اللہ یعنی سعد کو قتل کر دو۔ مطلب یہ نہ تھا کہ فی الواقع قتل کر دو بلکہ ایسا کر دو گویا کہ وہ قتل ہو گیا ہے اور مر گیا ہے۔ ایسا ہی دوسری حدیث جہاں دو خلیفوں کی بیعت کا ذکر ہے۔ وہاں لفظ آتے ہیں فاقتلو الآخر

دوسرے کوقتل کردو جس کے معنی ابن اثیرؒ لکھتے ہیں۔

ابطو دعوتہ واجعلوہ کمن مات (نہایہ ابن اثیر) یعنی اس کی دعوت کو باطل کردو اور اسے اسی کی طرح کردو جو مر گیا اور قتلت فلاناً کے معنی ذللتہ آتے ہیں (امام راغبؒ) یعنی میں نے اُس کو فرمانبردار بنالیا۔ قتل نفس سے مراد اسی لئے فاقتلوا انفسکم (سورۃ البقرہ آیت 55) میں امام عربی لغت امام راغبؒ سے یہ معنی بھی قبول کیے ہیں۔ قیل عنی بقتل النفس اماطۃ الشھوات یعنی قتل نفس سے مراد شہوات کا دور کرنا یا مارنا ہے۔ نفس کے معنی روح بھی ہیں اور ایک چیز کے کل کے کل یا اس کی حقیقت پر بھی بولا جاتا ہے جیسے ظلمتم انفسکم یعنی اپنے آپ پر ظلم کیا۔ سورۃ النور۲۴ آیت ۶۱۔ ۱۲) میں انفس سے مراد اہل ایمان اور اہل شریعت لئے گئے ہیں۔ فاقتلوا انفسکم میں مراد بھائی بند بھی ہوسکتے ہیں اور اپنے نفس بھی جیسا کہ ظلمتم انفسکم میں مراد ہے۔ قتل کے معنی والمراد من القتل مباشرۃ الاسباب الموجبۃ لزوال الحیوۃ سواء مرتب علیہ اولا یعنی قتل سے مراد ان اسباب کا حصول ہے جن سے حیات زائل ہوسکتی ہے خواہ اس پر زوال حیات مرتب ہو یا نہ قتل بمعنی اشراف علی القتل اور یہ فی الواقع سچ ہے کہ ایک فعل کے اشراف پر عام طور پر وہ لفظ بول دیا جاتا ہے جو اصل معنی پر دلالت کرتا ہے۔ خود قرآن شریف میں اس کی کئی مثالیں ہیں جیسے فبلغن اجلھن آیت میں بلغ سے مراد واقعی پہنچ جانا نہیں بلکہ پہنچنے کے قریب ہونا ہے پس یقتلون النبیین یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ نبیوں کے قتل کے درپے ہوتے تھے۔ اور یہ بھی ہوسکتے ہیں۔ نبیوں کو قتل کر دیتے تھے۔ قتل انبیاء سے مراد قتل کی کوشش یا ابطال دعوت بھی ہوسکتی ہے۔ بائبل کے بعض حوالجات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے فی الواقع بھی نبیوں کو قتل کیا مگر قتل کے معنی ابطال دعوت بھی آتے ہیں یعنی اس کی دعوت کو باطل کر دینا۔ چنانچہ اس روایت کے اذا ابویع خلیفتین فاقتلو الآخر منھما کی تشریح میں ابن اثیرؒ لکھتے ہیں۔

ابطو دعوتہ واجعلوہ لکن مات یعنی اس کی دعوت کو باطل کردو اور ایسے سمجھ لو کہ وہ شخص مر چکا ایسا ہی قتل کا لفظ عربی زبان میں ان اسباب کے جمع ہوجانے پر بولا جاتا ہے جن سے موت واقع ہوسکتی ہے۔ خواہ واقع ہو یا نہ ہو۔ پس ان دونوں معنی کے لحاظ سے بھی قرآنی الفاظ کی تفسیر ہوسکتی ہے یعنی انبیاء کی دعوت کو باطل کر دینا یا ان کو قتل کرنے کی کوشش کرنا۔ روح المعانی میں ہے کہ مراد یہ ہے کہ ان کی حالت ایسی ہے کہ اگر کوئی مانع نہ ہو تو قتل ہی کر دیں۔

اختلاف کرنے والے لوگ یہود و نصاریٰ دونوں ہیں۔ سو تاریخ سے ثابت ہے کہ فی الواقع دونوں شک میں رہے اور کسی کو بھی قتل کا یقین نہیں ہوا۔ تین گھنٹے کے اندر اندر صلیب سے اُتر نا ٹانگیں نہ توڑے جانا۔ پیلاطوس کا شک کرنا۔ پتھر کا ہٹا ہوا پایا جانا، حواریوں سے خفیہ ملاقاتیں۔ کیا یہ صریح امور نہیں جن کا لازمی نتیجہ شک ہونا چاہیے۔ جو دونوں گروہوں کے دلوں میں پیدا ہوا۔ اگر مسیح آسمان پر چلے گئے تھے اور ان کا ہمشکل مصلوب ہوا تھا تو شک کیسا اور علم کا نہ ہونا کیا معنی اور عدم یقین کی کیا وجوہات تھیں؟ یا تو یہودیوں نے مسیح علیہ السلام کو جاتے دیکھا ہوگا تو ان کو یقین ہوگا کہ مسیح علیہ السلام مصلوب نہیں ہوا۔ اور یا نہیں دیکھا تو ان کو یقین ہوگا کہ مسیح علیہ السلام مصلوب ہوگئے۔ دونوں صورتوں میں شک کوئی نہیں۔

رہے عیسائی ان کو تو اس قصہ کی رو سے یقین تھا کیونکہ یہ سارا قصہ حواریوں کے سامنے ہوا کہ ایک مسیح علیہ السلام کا ہمشکل ہوگا۔ پس وہ تو یقین سے جانتے ہوں گے کہ مسیح علیہ السلام مصلوب نہیں ہوئے ان کو بھی شک کوئی نہیں ہوسکتا۔ شک کی صورت صرف وہی ایک ہے جو اوپر بیان ہوئی اور جس کا یقینی ثبوت اناجیل سے ملتا ہے۔

بل رفعه الله وكان الله عزيزاً حكيماً (سورۃ النساء پارہ۶ آیت ۱۵۸) ایک اور آیت کو سمجھیں وان من اهل الكتاب الا ليومنن به قبل موته ويوم القيمة يكون عليهم شهيداً (سورۃ النساء پارہ۶ آیت ۱۵۹) لفظ بل اضراب کے لئے آتا ہے اور اس سے مراد کبھی پہلے خیال کا ابطال ہوتا ہے اور کبھی ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال پہلے کی مثال ہے۔

وقالو اتخذا الرحمن ولد سبحانه بل عباد مکرمون اور دوسرے کی **قدافلح من تزکی وذکر اسم ربه فصلی بل توثرون الحیوۃ الدنیا**

رفعہ اللہ الیہ پر دیکھو اور ابن جریر نے ابن جریج سے روایت کی ہے **فرفعه ایاه توفیه ایاه وتطهیره من الذین کفروا** یعنی اللہ تعالیٰ مسیح علیہ السلام کے رفع کرنے سے مراد ہے ان کو وفات دینا۔ اور کافروں سے ان کی تطہیر کرنا۔۔۔

ان عقائد کے معاملہ اتمام حجت دلائل سے ہوگا۔ اور واقعات تاریخی میں اتمام حجت کسی قوم کی مسلمہ تاریخ کی بنیاد پر ہوسکتا ہے۔ اب مسلمہ تاریخ وہ ہے جو عیسائیوں کو مسلم ہے۔ ان پر اتمام حجت یوں تو ہوسکتا ہے کہ ان کو ان کی اپنی کتابوں سے دکھایا جائے کہ یہ واقعات جن کو تم تسلیم کرتے ہو صاف بتاتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام صلیب پر نہیں مرے لیکن اگر ان کے سامنے ایک نئی کہانی بنا کر رکھ دی جائے تو مسیح علیہ السلام کا ہمشکل مصلوب ہوگیا تھا۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام آسمان پر چلے گئے تو اس سے کہانی بنانے والا صاف اپنا دل خوش کرسکتا ہے۔ دوسری قوم پر اس سے کچھ اتمام حجت نہیں ہوتا۔

قرآن کریم کا کمال تو یہ ہے کہ عیسائیوں کی تاریخ ان ہی کو پیش کر کے اتمام حجت کیا۔ ایک اُمی کا دوسری قوم کی کتابوں تک پہنچنا بالکل ناممکن تھا۔ یہ خدائے عالم الغیب کا ہی کام تھا۔

مسیح کے ہمشکل کا قصہ

دوسری طرف جو روایت پیش کی جاتی ہے نہ قرآن میں، نہ حدیث میں نہ انجیل میں نہ کسی تاریخ میں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کا ہمشکل کسی کو بنا دیا گیا کہ یہودی اسے صلیب دیں دے لیں۔ اس کی ضرورت کیا تھی؟ اگر بھلا کسی کو ہمشکل بنائے بغیر خدا تعالیٰ مسیح کو اٹھا لیتا تو یہودی اس کو وہاں سے پکڑ لاتے۔ جو خدا نے ایک ہمشکل بنا کر ان کو دھوکہ میں ڈال دیا؟ پھر کیسی متضاد روایات بنائی گئی ہیں۔ ایک میں ہے کہ مسیح علیہ السلام کے کہنے پر آپ کے ایک حواری نے ہمشکل ہونا قبول کرلیا اور مصلوب ہوا۔ ایک نبی اپنی جان بچا کر اپنے بے گناہ صحابی کو بے ضرورت مروا دے۔ یہ بے معنی ہی نہیں سخت قابل اعتراض ہے۔ اس لئے دوسری روایت یہ بنائی ہے کہ وہ ایک منافق تھا۔ تیسری روایت یوں کہ جو پکڑنے آیا تھا اُسے ہمشکل بنا دیا گیا۔ ان دونوں صورتوں میں شخص مذکور نے کچھ واویلا نہ کیا۔ کچھ پتہ نہ بتایا کہ میں کون ہوں؟ یہ پہلے سے بڑھ کر تعجب کا مقام ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ یہودیوں نے جب مسیح علیہ السلام کو نہ پایا تو خود ہی ایک یہودی کو صلیب دے دیا تا کہ لوگوں کو پتہ نہ لگ جائے کہ مسیح علیہ السلام آسمان پر چلا گیا ہے۔ اور کسی کو قریب نہ آنے دیا۔ یہ سب اٹکل پچو باتیں ہیں۔ ایک بات پر اعتراض ہو تو دوسری بنالی۔ دوسری پر اعتراض ہوا تو تیسری بنالی بھلا مسیح علیہ السلام اگر حوالات میں نہ ملتے تو نتیجہ یہ نکالا جاتا کہ کہیں بھاگ گئے ہیں۔ یا یہ کہ آسمان پر چلے گئے ہیں؟ آج تک کسی جیل خانہ کے مفرور کی نسبت یہ خیال کسی شخص نے نہیں کیا کہ وہ آسمان پر چلا گیا ہوگا۔ آسمان پر جاتے ہوئے تو ایک شخص نے بھی نہیں دیکھا اور یونہی اُن کے حوالات سے غائب ہوجانے پر سب لوگ سمجھ لیتے کہ ضرور آسمان پر ہی لے گئے ہیں۔ یہ سب کس قدر بعید از قیاس بات ہے۔

مسیح علیہ السلام کا آسمان پر جانے کا قرآن میں ذکر نہیں ہے۔ علاوہ ازیں خود قرآن شریف سے ثابت ہے کہ مسیح علیہ السلام اگر مصلوب نہیں ہوا تو کیا ہوا۔ سورۃ آل عمران میں **یعیسیٰ انی متوفیک** کا صریح وعدہ موجود ہے یعنی میں تجھ کو طبعی موت سے مارنے والا ہوں۔ اور یہ وعدہ وہاں کیا جہاں اس سے پہلے یہودیوں کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف تدبیروں کا ذکر ہے اور وہ تدبیریں مصلوب کرنے کی تھیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم مصلوب کی موت نہیں مرو گے بلکہ میں تمہیں طبعی موت سے ماروں گا۔ اور سورۃ المائدہ میں اس وعدہ کے پورے ہوجانے کا ذکر ہے **فلما توفیتنی** جب تو نے مجھے طبعی وفات دی آسمان پر زندہ لے جانے کا کہیں ذکر نہیں۔

نہ عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر لے جانے کا کہیں وعدہ ہے۔

نہ عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر لے جانے کا کہیں ذکر ہے پس نفی قتل

اور نفی صلب کر کے اور مقتول ومصلوب کا شبیہ قرار دے کر اور پھر طبعی وفات کا ذکر کر کے سارے معاملہ کو صاف کر دیا ہے۔

وما قتلوہ یقینا کے معنی تو صاف ہیں **ماقتلوہ وقتلا یقینا** یعنی انہوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یقینی طور پر قتل نہیں کیا بلکہ شکی طور پر قتل کیا اور تاریخ سے ظاہر ہے کہ خود ان کے اندر شکوک پیدا ہو چکے تھے۔ امام لغت امام راغبؒ نے یوں معنی کیے ہیں **ما علموا کونہ مصلوباً علماً یقیناً** یعنی اس کے مصلوب ہونے کو علم یقینی کے ساتھ نہیں جانا۔

اور یہ معنی ہی سیاق عبارت کے لحاظ سے درست ہیں کیونکہ پیچھے شک کا ذکر ہے اور بعض نے قتلوہ میں ضمیر کو علم کی طرف پھیرا ہے۔ کیونکہ **قتلت العلم** اور **قتلت کذا علماً** کے معنی ہیں اس کا پورا علم حاصل کیا (امام راغبؒ) اور دونوں معنوں کے لحاظ سے مطلب ایک ہے۔ پہلے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے اسے یقینی طور پر قتل نہیں کیا یعنی قتل شکی رہا۔ اور دوسرے معنی کے لحاظ سے یہ کہ اس کے قتل ہو جانے کے بارہ میں ان کو یقین نہیں ہوا اور وہ شک میں رہے۔

یہودیوں میں صلیب کی یہ طرز تھی کہ ایک + کی شکل کی لکڑی پر ایک شخص کو لٹکا دیا جاتا تھا۔ اور اس کے ہاتھ پاؤں میں میخیں لگا دی جاتی تھیں۔ بائبل کے انسائیکلو پیڈیا میں ہے کہ لاش صلیب پر رہتی تھی یہاں تک کہ بالکل سوکھ جاتی اور یہودی انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے مصلوب کی موت بھوک اور طاقت کے زائل ہو جانے سے واقع ہو جاتی تھی۔ اور لاش بعض وقت 3 دن صلیب پر لٹکی رہتی تھی۔ ہاں موت جلد واقع کرنے کے لئے بعض وقت ٹانگیں توڑ دی جاتی تھیں پس اہل عرب، یہود اور بائبل کے محاورہ کی رُو سے مصلوب وہی شخص کہلا سکتا ہے جس کی موت اسی ذریعہ سے واقع ہو جائے۔ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قتل وصلیب ہر دو کی نفی کی گئی ہے اور یہ عطف خاص علی العام ہے گویا بتایا ہے ان دونوں طریقوں میں سے کسی طریق سے حضرت مسیح کی جان ان کے جسم سے جدا نہیں ہوئی نہ بذریعہ قتل۔ نہ بذریعہ صلیب۔

سوال یہ ہے کہ کیا اس سے ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں؟ کیا اگر ایک شخص کے بارے میں کہا جائے کہ وہ قتل یا صلیب سے نہیں مارا گیا تو اس کی مطلق موت کی نفی ہو جاتی ہے؟ یہ کبھی کسی کے وہم میں بھی نہیں آ سکتا مگر تعجب یہ ہے کہ حضرت مسیح کی نفی قتل وصلیب سے ان کی موت کی نفی مراد لی جاتی ہے۔ حالانکہ قرآن شریف خود بتاتا ہے کہ اگر حضرت مسیح کی موت بذریعہ قتل وصلب واقع نہیں ہوئی تو کیا ہوا۔ فرمایا **ولکن شبہ لھم** مگروہ (یعنی مسیح) ان کے لئے مشابہ بنایا گیا۔ جن کے معنی غلطی سے یوں کیے جاتے ہیں کہ کوئی شخص مسیح کا مشابہ بنایا گیا۔ یہ صریح غلطی ایک قصہ کو ذہن میں رکھ کر کی گئی ہے ورنہ الفاظ قرآنی اس کو ہرگز برداشت نہیں کرتے۔ ضمیر جو شبہ میں ہے وہ صرف حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف جا سکتی ہے جن کا ذکر چل رہا ہے۔ اور کسی ایسے شخص کی طرف ہرگز نہیں جا سکتی جس کا ذکر قرآن شریف میں کہیں بھی نہیں بلکہ کسی صحیح حدیث میں بھی نہیں جو مسیح علیہ کی جگہ قتل وصلیب کی موت سے مرا ہو اور پھر تعجب پر تعجب یہ کہ اگر یہ معنی کیے جائیں تو **ماقتلوہ وما صلبوہ** کا جواب بھی کوئی نہیں بنتا۔ کیونکہ ان دونوں باتوں میں کیا تعلق ہے کہ مسیح قتل یا صلیب کی موت نہیں مرا۔ بلکہ ایک اور شخص مسیح علیہ السلام کی طرح ہو گیا۔

اس دوسرے کے مقتول یا مصلوب ہونے کا یہاں اشارہ تک نہیں۔ انجیل کی شہادت کہ مسیح صلیب پر چڑھائے گئے مگر زندہ رہے۔ اب واقعات تاریخی کو لو تو کیسی صفائی سے ثابت ہوتا ہے کہ یہی معنی الفاظ قرآن کے درست ہیں۔ واقعات بتاتے ہیں مسیح علیہ السلام صلیب پر چڑھائے گئے مگر زندہ رہے مصلوب نہیں ہوئے زندہ اتارے گئے۔ البتہ صلیب پر چڑھنے کی وجہ سے وہ مصلوب یا مقتول سے مشابہ ہو گئے۔

اوّل حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک روایت کے مطابق صلیب پر 6 گھنٹے (مرقس 15:25) اور ایک اور روایت کے مطابق 3 گھنٹے سے بھی کم رہے (یوحنا 19:14)

دوم یوحنا 19:32 سے ثابت ہے کہ مسیح علیہ السلام کے ساتھ دو چور

صلیب پر لٹکائے گئے جب ان کو اُتارا گیا ان کی ٹانگیں توڑی گئیں تب ان کی موت واقع ہوئی۔ مسیح علیہ السلام بھی ساتھ ہی چڑھائے اور ساتھ ہی اُتارے گئے مگر ان کی ٹانگیں نہیں توڑی گئیں۔

سوم: سپاہیوں میں سے ایک نے مسیح علیہ السلام کی پسلی بھالے سے چھیدی تو اس سے لہو اور پانی نکلا۔ یوحنا 19:34

یہ صریح زندگی کی علامت ہے۔

چہارم: جب کسی نے پلاطوس کو جا کر کہا کہ مسیح علیہ السلام صلیب پر مر گئے تو اس نے متعجب ہو کر شبہ کیا کہ اس قدر جلدی کس طرح مر گئے۔

(مرقس 15:44)

پنجم: مسیح کو دفن نہیں کیا گیا بلکہ ایک کھلی جگہ میں رکھ کر سامنے ایک پتھر رکھ دیا گیا جس سے ہوا اندر جاتی رہی۔ مرقس 16:46

حالانکہ جس کو دفن کیا جاتا ہے اس کے لئے ہوا کے آنے جانے کا راستہ نہیں رکھا جاتا۔

ششم: جب تیسرے مریم مگدلینی وغیرہ آئیں تو پتھر کو دروازہ سے ہٹا ہوا پایا۔ مرقس 16:4۔ جس سے معلوم ہوا کہ پتھر کو ہٹا کر مسیح علیہ السلام کو اندر سے نکالا گیا۔

ہفتم: یوحنا 20:15 سے ثابت ہوتا ہے کہ مریم مگدلینی نے حضرت مسیح علیہ السلام کو دیکھا تو انہیں باغبان سمجھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ نے بھیس بدلا ہوا تھا۔

ہشتم: کئی دن بعد جب حواریوں نے مسیح علیہ السلام کو دیکھا تو اُس کے ہاتھوں پر کیلوں کے زخموں کے نشان باقی تھے۔ (یوحنا 20:25 سے 28)

نہم: لوقا 24:39:44 سے ثابت ہے کہ واقعہ صلیب کے بعد حواریوں کے ساتھ مل کر آپ نے بھونی ہوئی مچھلی اور شہد کھایا۔ و ہم جلیل کو پیدل سفر کیا۔ متی 28:10

اب ایک طرف یہ واقعات تاریخی ہیں کہ مسیح علیہ السلام صلیب پر چڑھے مصلوب کی طرح ہوئے مگر مصلوب نہیں ہوئے یعنی صلیب پر مرے نہیں۔ اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ اناجیل کے بیانات ہیں اور محرف ومبدل کتابیں ہیں اس لئے قابل قبول نہیں۔ محرف ومبدل کے یہ معنی سمجھ لینا کہ ان میں جو کچھ واقعات تاریخی لکھے ہیں وہ سرتا پا غلط ہیں سخت غلطی ہے۔ تحریف عموماً عقائد کے معاملہ میں ہوئی ہے۔ ورنہ واقعات تاریخی جن پر سب اناجیل (چاروں انجیل) کا اتفاق ہو محرف کہہ کر رد نہیں کر سکتے نہ کیے جا سکتے ہیں۔ بھلا اگر یہ اناجیل محرف ہیں تو انجیل برنباس کے لئے کونسی سند قرآن شریف یا حدیث میں ہے کہ وہ غیر محرف ہے۔ اور یہاں اتمام حجت تو یہود اور نصاریٰ پر کرنا مقصود ہے۔

سورۃ النساء پارہ ۶ آیت ۱۵۷

وقولهم انا قتلنا المسيح عيسىٰ ابن مريم رسول الله وما قتلوه وما صلبو ولكن شبه لهم ان الذين اختلفو ا فيه لفي شك منه وما قتلو يقينا اور ان کے کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح ابن مریم اللہ کے رسول کو قتل کر دیا۔ اور نہ انہوں نے اُسے قتل کیا اور نہ اُسے صلیب پر مارا۔ مگر وہ ان کے لئے اس جیسا بنا دیا گیا اور بیشک وہ لوگ جنہوں نے اس سے متعلق اختلاف کیا اس بارے میں شک میں ہیں ان کو اس کا کچھ علم نہیں۔ صرف گمان کے پیچھے چلتے ہیں اور انہوں نے اسے یقینی طور پر قتل نہیں کیا۔

حضرت صد چہاردہم نے اپنی کتابوں میں جو علم الکلام پیش کیا اس میں سے اخذ کر کے ختم نبوت اور وفات مسیح علیہ السلام کے بارے میں کچھ بیان کیا ہے۔ وفات مسیح کے بارے میں تمام تفصیلات کو دیکھنا ہو تو حضرت صاحب کی کتاب ازالہ اوہام اور مسیح ہندوستان کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی دیگر کتابوں میں مختصراً اس موضوع پر بحث موجود ہے۔ اس طرح کے دیگر کئی موضوعات پر آپؑ نے قلم اُٹھایا اور ہر موضوع پر سیر حاصل بحث کی۔ اللہ ہمیں امام وقت کے علم الکلام کو پڑھنے اور اس کے ذریعہ اسلام کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(آخری قسط)

حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ کی ذاتی زندگی اور جہاد بالقلم

تقریر، حمید جہانگیری صاحب، بر موقع ''محمد علی ڈے'' جامع اوکلینڈ کیلیفورنیا، امریکہ

آج 28اکتوبر2018ء کی تاریخ ہے۔ ہم ''اوکلینڈ'' مسجد میں جمع ہیں تا کہ ہم ایک خادم اسلام اور جہاد قلمی کے ایک مایہ ناز جرنیل مولانا محمد علیؒ کی حیات کے اوپر کچھ بات کریں۔ان کی زندگی کے علمی اور ذاتی واقعات پر روشنی ڈالیں اور اس سے سیکھیں کہ ہم مزید آگے کیا کر سکتے ہیں۔ان کے مشن جو کہ اسلام کا مشن ہے کو آگے بڑھا سکیں۔سب سے پہلے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تمام تعریفیں صرف اللہ کے لئے ہیں وہی ہمارا معبود ہے۔اس کے علاوہ کوئی عبادت کے یا پرستش کے لائق نہیں۔اس کے بعد مرد کامل جن کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا ہے وہ ایک ہی شخص ہے وہ ہمارے رسول ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو اللہ پاک کے برگزیدہ بندے، نبی اور رسول کے ہر معنی میں آخری تھے آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔رسول پاکؐ کی اتباع میں جیسے ڈاکٹر اکرام جہانگیری صاحب میرے بھائی نے کہا ہے کہ کچھ حسن سلوک کچھ حسن صحبت کی وجہ سے اللہ پاک نے آپؐ کے ساتھ حضرت علیؓ کو کھڑا کیا۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کو نابالغی سے بلوغ تک آپؐ کی تربیت ملی۔حضرت علیؓ اصل اصول اسلام پر قائم رہے۔نہایت مشکلات کے باوجود بھی چاہے وہ مشکلات اندرونی ہوں یا بیرونی۔انہوں نے حضرت محمد مصطفیٰؐ کے اس مشن کو جاری رکھا۔

وہ اسلام کے اصل عقائد پر عمل پیرا تھے اور آپؓ کے بعد آپؓ کے صاحبزادے امام حسنؓ اور امام حسینؓ نے مشن کو جاری رکھا۔امام حسینؓ جب زندگی کی اُس نہج پر پہنچ گئے کہ ان کے پاس موقع تھا کہ وہ ''یزید ملعون'' یہ لفظ حضرت مرزا صاحب نے استعمال کیا ہے تو میں بھی استعمال کروں گا۔امام حسینؓ یا تو اس کے ساتھ مل جاتے۔دنیا کی خاطر اور اکثریت کی خاطر یا دوسرا راستہ چنتے جو اصل اسلامی عقائد اور جو اسلام کی صحیح تعلیم تھی عملاً اس کی طرف جاتے۔تو آپ نے مشکل راستہ چنا۔آپ نے دیکھا تاریخ میں کہ وہ چند ساتھیوں کے ساتھ جو قریبی رشتہ دار تھے۔کچھ عورتیں تھیں اور کچھ دوست تھے۔تقریباً 72 تھے، میدان کربلا میں انہوں نے اپنی آخری جنگ لڑی جبکہ دوسری طرف آپ دیکھتے ہیں کہ یزید ملعون اور اس کے ساتھی تھے جو بڑی کثیر تعداد اور دنیا کی ان کے پاس طاقت تھی اور تاریخ میں یہ بھی دیکھا کہ کچھ صحابہ کرامؓ جو دل میں اگر نہ بھی چاہتے ہوں وہ اکثریت کے ساتھ خاموش ہو کر سائیڈ لائن ہو گئے اور امام حسین کی طرف نہیں آئے۔تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔تو اگر دیکھا جائے تو یہ تاریخ نے دوبارہ اپنے آپ کو دہرایا ہے اس زمانے کے امام کی زندگی کے ساتھ اور آپ نے دیکھا کہ جب امامِ زمانہ حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؒ کا وقت گزرا تو کیسے جماعت دو حصوں میں تقسیم ہوئی۔ایک طرف تعداد وسیع تھی۔بڑی طاقت دنیا کی بلکہ اس زمانے کے جو پولیٹیکل لیڈرز، جنرلز، بزنس لیڈران کے ساتھ تھے لیکن عقائد ان کے غلط تھے۔انہوں نے کہا کہ کلمہ گو اگر مرزا غلام احمد صاحبؒ کو نبی نہیں مانتا تو وہ مسلمان نہیں ہے۔ ان کو نبی مانتے ہوئے خلافت کو نہیں مانتا تو بھی وہ مسلمان نہیں ہے۔یہ وہی نظارہ تھا جو میدان کربلا میں ہوا۔اب اس زمانے میں بے شک تلوار والی جنگ نہیں لیکن قلم کی جنگ کا زمانہ تھا۔اس میں چند لوگ مولانا محمد علیؒ کے ساتھ مل گئے اور انہوں نے ہر طرح کی جانی، مالی قلمی قربانیاں دیں۔اس بارے میں میں سوچ رہا تھا کہ کیا اگر ایسا ہونا تھا تو کیا امام زمانہ جن کی اتنی مبشرات ہیں اتنی ان کی پیشگوئیاں ہیں تو کیا اس بارے میں بھی انہوں نے کچھ کہا ہے کہ نہیں۔میں پڑھ رہا تھا تو مجھے مجموعہ اشتہارات میں حضرت مرزا صاحبؒ کا اپنا بیان ملا جس

میں انہوں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا ہے کہ جماعت کو دو حصوں میں تقسیم کردوں، ایک وہ ہوں جن کو دین اور دنیا دونوں طرف کی ان کو کشش ہو عام انسان جو کہ اچھا انسان ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف ایک ایسی جماعت ہو جس کا کام اور مین فوکس صرف اور صرف قرآن شریف اور اسوہ حسنہ پر کام کرنا، اس پر ریسرچ کرنا اور اس کو دنیا تک آگے پہنچانا ہو۔ تو اگر آپ دیکھیں تو حضرت صاحب کی پیشگوئی اس جماعت احمدیہ لاہور کی صورت میں پوری ہوتی ہے اور اس کے سرخیل مولانا محمد علیؒ اور ان کے قریبی ساتھی تھے۔ مولانا محمد علیؒ کی پیدائش انڈیا کے شہر (مرار) میں 1874ء میں ہوئی۔ تقریباً 25 سال کی عمر میں انہوں نے ایل ایل بی اور ایم اے کر لیا تھا۔ اس زمانے میں مسلمانوں کی تعلیم ہونا بہت ہی کم بات ہوتی تھی اور وہ بھی اس معیار کی تعلیم۔ اس کے بعد تقریباً 1899ء میں انہوں نے حضرت صاحبؑ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ کے پاس موقع تھا کہ اب اپنی وکالت چلائیں اور اس کو آگے تک لے جائیں اور ان میں پوٹینشل تھا۔ لیکن حضرت صاحب کے کہنے پر آپ ان کے پاس بیٹھ گئے اور آپ نے ان سے علم حاصل کر کے جیسے بھائی صاحب نے کہا کہ ان کو ایک آدمی چاہیے تھا جو ان کی بات کو دنیا کے کونوں تک پہنچائے۔ اور اس کے لئے انہوں نے مولانا محمد علیؒ کو چنا۔ قادیان جو اب بھی پنجاب کا ایک دور دراز کا قصبہ سمجھا جاتا ہے ابھی بھی اگر آپ دیکھیں تو انڈین پنجاب میں اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ بانسبت بڑے شہر امرتسر وغیرہ کے۔ وہاں اس زمانے میں سوچیں کیا سسٹم ہوگا۔ کمیونیکیشن کا، بجلی وغیرہ کا وہاں سے انہوں نے یہ کام شروع کیا۔ اس زمانے میں وہاں سے انگلش کا رسالہ نکالتے تھے۔ جس کا نام ریویو آف ریلیجنز تھا اور وہ رسالہ انگلش کا یورپ میں جاتا تھا۔ روس میں جاتا تھا۔ اس رسالہ کے پڑھنے والے بڑے ادیب لکھنے والے بڑے لوگ تھے۔ اور انہوں نے اسلام کی طرف رغبت کی۔ اس کے بعد حضرت صاحب نے آپ کو مقرر کیا کہ تمام آرٹیکل جو ''البدر'' اور ''الحکم'' جو قادیان سے چھپنے والے اُردو اخبار تھے میں چھپتے تھے، آن آرٹیکل پر ریویو کرنا مولانا محمد علی صاحب کے ذمہ تھا تاکہ اس میں کوئی غلطی نہ رہ جائے پھر مولانا محمد علی صاحب کو انجمن کا سیکرٹری بنایا گیا۔ اب آپ اس طرف بھی توجہ کریں اس جماعت کی سوچ کی طرف کہ مسلمانوں میں جو جماعتیں ہوتی ہیں۔ وہ اکثر کیا ہوتا ہے کہ اگر باپ پیر ہے تو اس کے بعد اس کا بیٹا پیر ہے گدی نشینی ہوتی ہے۔ یہ پہلی آرگنائزیشن تھی جو ورلڈ لیول پر تھی جس میں الیکشن سے ممبر بورڈز آف گورنرز مجلس معتمدین اور پھر دوسری مجلس عامہ وغیرہ یہ منتخب ہوتی تھیں۔ الیکشن سے اور کثرت رائے سے فیصلہ ہوتا تھا اور ماڈرن جتنی بھی آرگنائزیشن ہیں آپ دیکھیں چاہے وہ بزنس میں ہیں یا ریلیجن میں۔ اس میں یہ طریقہ چلتا ہے اور یہ طریقہ چلا تھا فرسٹ ٹائم اس لیول پر تاریخ اسلام میں جماعت احمدیہ کی طرف سے پھر مولانا محمد علی صاحب نے جو کام شروع کیا اس میں علمی کام جو بڑا کام تھا۔ قرآن شریف کی تفسیر بیان القرآن تھا، میرے والد صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ اگر قرآن شریف کا عالم بننا ہے تو بیان القرآن پڑھو۔ کیوں؟ میں ابھی اس عمر میں پہنچا ہوں تو کچھ سمجھ آئی کہ انہوں نے کیوں کہا تھا، مولانا محمد علی کا جو سٹائل تھا رائٹنگ کا وہ بڑا (Objective) تھا۔ یعنی وہ اپنی سوچ کو قرآن شریف پر نہیں لگاتے تھے۔

قرآن شریف کی آیت اٹھائی اس کا معنی کیا بامحاورہ اس کے بعد اس کے اندر جو ایشوز یا جو آئیڈیاز ڈویلپ ہوتے ہیں۔ اس کے اوپر جو تمام متفقہ پرانے امام تھے، میجر امام تھے امام راغب وغیرہ ان کے آئیڈیاز کو لکھتے تھے پھر اس کے انیلیسز کے بعد اپنا پوائنٹ آف ویو دیتے تھے اور ابھی بھی بیان القرآن آپ کے سامنے ہے۔ اور وہ اپنا پوائنٹ آف ویو بھی بڑے احتیاط سے دیتے تھے۔ کبھی بھی مجھے نظر نہیں آیا کہ وہ حتمی طور پر کہتے ہوں کہ اس کے بس یہی معنی ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ میرا قیاس ہے، میرا خیال ہے، میرا آئیڈیا ہے کہ یہ ہونا چاہیے۔ اور یہ ایک سکالر کی پہچان ہوتی ہے جو عالم انسان ہوتا ہے چاہے وہ سائنسز میں ہو یا آرٹس میں ہو۔ اس شخص کے اندر یہ بات ہوتی ہے کہ اس کے اندر عاجزی پائی جاتی ہے کیونکہ علم سے پہلے حلم ہونا چاہیے۔ حلیمی ہونی چاہیے، طبیعت میں اگر انسان یہ سوچ لے کہ مجھے سب کچھ آتا ہے تو پھر وہ کیا سیکھے گا اور کیا سکھائے گا

تو یہ ان کی پرسنیلٹی اور ذات میں عاجزی تھی۔ اور اس سے زیادہ ان کے کلام میں اس طرح کی عاجزی ہے کہ ایک محقق کی طرح وہ تحقیق کر رہے ہیں۔ وہ معلوم کر رہے ہیں کہ اس کے آگے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔ اس کے پیچھے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔ اور وہ اپنے خیالات کو لکھتے ہیں، اپنی کتابوں میں۔ بیان القرآن تاریخ اسلام کا پہلا ترجمہ اور تفسیر ہے جس کے اندر انڈیکس موجود ہے۔ اس کی یہ ایک خاص بات ہے کہ انڈیکس بھی اس طرح کے انہوں نے پریکٹیکل کیا کہ کوئی بھی کسی موضوع پر رہنمائی حاصل کرنا چاہتا ہے تو بجائے اسکے کہ پورے قرآن شریف کو ڈھونڈے یا کسی اِس مولوی کے پاس جائے یا اُس مولوی کے پاس جائے وہ انڈیکس میں وہ تمام ایشوز کو لکھ دیا ہے خاوند بیوی کے تعلقات میں اگر کوئی بات ہے، کاروبار کرتا ہے اس کے بارے میں ڈائریکٹ قرآن مجید کی Source یعنی کونسی آیت اس کے بارے میں کیا کہتی ہے۔ آپ سوچیں کہ کمپیوٹر نے ابھی بننا تھا ابھی بنا نہیں تھا اس وقت انہوں نے یہ آئیڈیاز ڈویلپ کیے پھر آپ نے جو انگلش کا جو ان کا معرکتہ الآراء قرآن شریف کا ترجمہ جو آج تک گولڈ سٹینڈرڈ مانا جاتا ہے اور حالانکہ مولانا محمد علی صاحبؒ نے دعویٰ سے نہ کہا ہو میں دعویٰ سے کہتا ہوں کیونکہ میں انٹرنیٹ پر جاتا ہوں ایک آیت کو اٹھائیں اور مولانا محمد علی کا ترجمہ کمپیئر کر کے دیکھیں بلکہ میں آپ کو ایک دلچسپ بات بتاتا ہوں۔ ہماری جماعت لاہور جماعت کے خلاف جو ساؤتھ افریقہ میں کیس کیا گیا جو کہ معاندین نے ہمیں کہا کہ غیر مسلم ہیں الحمد اللہ اس وقت عدالت نے ہمیں اچھا مسلمان بھی ثابت کیا۔ اس وقت عدالت میں مولوی حضرات پاکستان سے آئے ہوئے تھے، اسی میں جماعت اسلامی کے بڑے بڑے لوگ اور بعد میں اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کے چانسلر غازی صاحب وغیرہ تھے تو جب وہ وٹنس سٹینڈ پر جاتے تھے تو وہ اپنے دلائل میں قرآن شریف کو کوٹ کرتے تھے۔ ہماری جماعت کے وکیل نے خود ثبوت ایگزیمن کرتے ہوئے کہا کہ یہ تو آپ مولانا محمد علیؒ صاحب کی انگلش ٹرانسلیشن کو پڑھ رہے ہیں اور ان کے خلاف بات کر رہے ہیں تو اس میں کیا بات ہے۔ مولانا محمد علیؒ صاحب کو آپ غیر مسلم کہہ رہے ہیں اور ان کے ماننے والوں کو اور ان کے ساتھ والوں کو اور آپ انہی کی ٹرانسلیشن کو کوٹ کر رہے ہیں اس کی کیا وجہ ہے تو جیسے اُردو میں کہتے ہیں کہ ''کھسیانی بلی کھمبا نوچے'' انہوں نے آگے سے کہا کہ قرآن شریف کی اصل آیت کے قریب ترین صرف یہی ترجمہ ہے تو پھر انہوں نے کہا کہ آپ تو ان کو غیر مسلم کہتے ہیں۔ تو اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ غیر مسلم بھی اچھا ترجمہ لکھ سکتا ہے۔ یعنی اس کا کیا جواب دیں آپ کو بہر حال وہ ایک لطیفہ تھا جو آپ کو سنا دیا۔ مولانا محمد علی صاحبؒ نے جیسے بھائی صاحب نے کہا ہے تقریباً پچاس ہزار صفات لکھے۔ میں اس میں اضافہ کروں گا کہ یہ تو وہ ہیں جو اِن کی زندگی میں شائع ہوئے اور جو ان کے خطبات وغیرہ بعد میں شائع ہوئے ہیں۔ تو تقریباً 80-70 ہزار صفات انہوں نے لکھے ہوں گے کم از کم اور خطوط وغیرہ کو چھوڑ دیں اور اس کے ساتھ وہ ایک انٹرنیشنل جماعت کے امیر بھی تھے۔ ایڈمنسٹر بھی تھے۔ جماعت کے تمام بیرونی ملک، پاکستان، انڈیا یا مقامی جماعتوں کے مسائل اور لوگوں کے گھروں کے مسائل، لوگوں کے گھروں کے جھگڑے، خاوند بیوی کے جھگڑے، اولاد کے ساتھ جھگڑے، کسی کا بچہ پاس نہیں ہو رہا اس کے لئے دعا کرنا۔ میں نے تو یہ بھی پڑھا ہے کہ جب وہ مہاجر ہو کر پاکستان آئے تو نہایت قسم پرسی کی حالت میں رہتے تھے۔ کچا سا ایک گھر تھا جس میں وہ رہتے تھے اور اپنا علمی کام کرتے تھے۔ تو کیا ہوا کہ ایک مسلمان انڈیا سے ہجرت کر کے آیا تھا۔ اس کو الاٹ مینٹ چاہیے تھی۔ جب انڈیا سے مہاجر ہو کر پاکستان آئے تھے تو لوگوں کو پراپرٹی ملتی تھی جو کہ انڈیا میں چھوڑ کر آئے تھے تو ادھر ہندوؤں کی طرف سے جو پراپرٹی دی گئی تھی وہاں سے ملتی تھی۔ تو مولانا محمد علی صاحبؒ کبھی سیاسی یا اس طرح کے کاموں میں تو نہیں آتے تھے۔ تو اس بندے نے اتنی شدت سے ان کو کہا کہ آپ چلیں اور آپ کی دنیا عزت کرتی ہے اور آپ کی بات سنتی ہے تو وہ جو افسر ہے جو الاٹ مینٹ کر رہا ہے آپ جائیں گے تو میرے حق میں کام ہو جائے گا تو مولانا محمد علی صاحب گئے اس سے ملنے تو وہ احترام کے طور پر اُٹھ کر ملا آپ کے علم کی وجہ سے آپ کی شہرت کی وجہ سے تو اس نے کہا

کہ مولانا صاحب آپ اس کے لئے سفارش کرنے آئے ہیں تو اپنے لئے بھی تو کریں نہ کہ آپ خود بھی تو مہاجر ہوکر آئے ہیں تو مولانا محمد علی صاحبؒ نے اپنے لئے کہا کہ نہیں نہیں آپ میرا رہنے دیں۔

اپنے لئے انہوں نے سفارش نہیں کی۔ اس انسان کے لئے جس کی مدد کرنی تھی ان کی زندگی کے اوپر بہت کچھ لکھا گیا ہے چاہے میں سارا دن بھی بولتا رہوں تو شاید وقت کم ہو بلکہ میں صرف وہی بولتا رہوں جو کہ میں نے اپنے والد سے سنا ہے وہ بھی شام ہوجائے گی ہم لوگ عشاء کی نماز پھر پڑھ کر جائیں گے تو لیکن میں کچھ باتیں ان کی آپ کو پیش کرتا ہوں۔ میرے والد جب مانسہرہ سے لاہور آئے اور جماعت میں شمولیت کی تو میرے دادا نے ان کو عاق کر دیا۔ اور مولویوں کے کہنے پر تین دفعہ قتل کرنے کی بھی کوشش کی۔ میرے والد صاحب جب سیکرٹری بنے تو ان کو مولانا محمد علی صاحبؒ کے ساتھ والا کمرہ ملا تو اس وقت دو ڈھائی بجے صبح روزانہ جب پانی گرتا۔ وضو کے لئے اس زمانے میں لوہے کے برتنوں میں وضو کرتے تھے تو میں سمجھ جاتا کہ مولانا محمد علی صاحبؒ اُٹھ گئے۔ ڈھائی بجے اُٹھتے تھے عموماً صبح کے ٹائم تہجد پر، تہجد پڑھتے، ساڑھے چار بجے کے قریب وہ مسجد میں آجاتے فجر کی نماز ساڑھے چار بجے سے پانچ کے قریب ہوتی تھی۔

پھر اس کے بعد آپ واک کرتے تھے۔ پھر ناشتہ کرتے اور پھر تھوڑی دیر آرام کرتے تھے پھر آپ دفتر تشریف لاتے۔ وہاں انجمن کے جو کام ہوتے وہ کرتے پھر اس کے بعد ظہر کا جب وقفہ ہوتا تھا۔ اس سے عصر تک اس میں وہ تھوڑا کھانا کھاتے کبھی طبیعت میں تھکاوٹ ہے تو تھوڑا آرام کرتے پھر واپس چلے جاتے تو پھر مغرب کا وقت ہوجاتا تو ان کے ساتھ مولانا و دھیار تھی صاحب جب انڈیا میں ڈلہوزی کے مقام پر ہوتے تھے تو وہ کہتے ہیں کہ وہ پرفضاء مقام تھا تو ہم نوجوان بھی تھے ہمارا دل کرتا واک کے لئے جائیں، پہاڑوں میں خوبصورت جگہوں پر تو مولانا محمد علی صاحبؒ بلا لیتے تھے کہ آؤ جو ہم نے لکھا ہے آج اس کی پروف ریڈنگ کرتے ہیں۔ تو وہ سارا دن پروف ریڈنگ کرتے رہتے تھے پھر اس کے بعد آپ کی بیگم صاحبہ نے جو دوسری بیگم صاحبہ تھیں پہلی فوت ہوگئیں تھیں تو انہوں نے ان کی حیات کے اوپر جو لکھا بیوی کی حیثیت سے وہ بھی ہماری بیویوں کو پڑھنا چاہیے ہمیں بھی پڑھنا چاہیے کہ انہوں نے کیسے زندگی گزاری پاکیزگی کے ساتھ اور سادہ طبیعت تھے۔ چپاتی پسند کرتے تھے اور دال پسند کرتے تھے۔ شاید یہ میری ان سے ایک قدر مشترک ہے کہ مجھے بھی یہ سادہ کھانے پسند ہیں اور پھر شام کے بعد میں نے اپنے بزرگ احمد نواز صاحب جنہوں نے بچپن میں ان کو دیکھا ہے ان کے حالات دیکھے کچھ ان سے سنا کچھ اور لوگوں سے سنا۔ جب بعد میں ان کا گھر بن گیا مسلم ٹاؤن میں تو ان کو شوق تھا درخت لگانے کا ان کی انٹرٹینمنٹ ہوتی تھی کہ واک کرتے اور درختوں کی نگہداشت کرتے اور فروٹ وغیرہ جو اس کا ہوتا تھا وہ سب میں تقسیم کرتے تھے اور اس میں بڑی برکت تھی۔ پھر انہوں نے لکھا ہے کہ ایک شیعہ عالم تھے پاکستان کے بڑے مشہور پیر صاحب تھے انہوں نے کہا کہ مولانا محمد علی صاحبؒ بڑا اچھا رائٹر ہے، بڑا اچھا لکھنے والا ہے۔ یہ اندر سے کیسا ہے اس کے گھر والوں سے کیا معمولات ہیں تو پیر صاحب نے اپنی بیوی کو بھیجا مولانا محمد علی صاحبؒ کے اہل خانہ کے ساتھ اُن کے گھر میں رہنے کے لئے کہ آپ جا کر ان کے گھر کچھ دن گزاریں۔ تو اُس خاتون نے بتایا کہ مولانا محمد علی صاحبؒ کے صبح ڈھائی بجے اُٹھ جاتے تھے۔ میں نے کھڑکی سے دیکھا کہ وہ وضو کر کے نماز تہجد کے لئے کھڑے ہوگئے۔ تو تہجد کی نماز پڑھنے کے لئے میں بھی کھڑی ہوگئی، میں نے کہا میں بھی پڑھ لیتی ہوں تو وہ کہتی ہے کہ تقریباً ان کی ایک رکعات آدھے گھنٹے کی ہوتی تھی، وہ ڈوب کر پڑھتے تھے۔ تو کہتی ہیں کہ میں نے تو دو تین دن کوشش کی تو پھر نماز کی پہلی رکعت میں ہی سوگئی۔ جب میری آنکھ کھلی تو وہ دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوئے تھے تو انہوں نے جا کر بتلایا کہ یہ اس قسم کا عبادت گذار انسان ہے۔ مولانا محمد علی صاحبؒ کے جو علمی کارنامے ہیں اس زمانے کے جو بڑے رائٹر تھے۔ اس میں ابھی بھی ان کی انگریزی کی ترجمہ تفسیر آپ کے سامنے ہوگی۔ عبداللہ یوسف علی صاحب نے جو انگلش ترجمہ کیا قرآن شریف کا وہ انجمن حمایت اسلام کے تحت کیا۔ یہ دو آرگنائزیشن تھی مسلمانوں

کی۔ احمد یہ انجمن اشاعت اسلام اور دوسری تھی انجمن حمایت اسلام وہ سکول بناتے تھے، کالجز بناتے تھے تاکہ مسلمانوں کو تعلیم ملے اور اتفاق سے تقریباً سڑک کے آر پار ہی تھے۔ ایک طرف یہ تھے اور دوسری طرف وہ۔ برانڈرتھ روڈ پر ہماری جماعت کے کچھ لوگ وہاں پر بھی کام کرتے تھے۔ بڑے ٹاپ کے لوگ تھے۔ مطلب یہ ہے کہ اُس زمانہ کے پیغام صلح کے جو ایڈیٹر تھے ہماری اخبار کے، اس زمانے کی اخباروں نے ان کو کہا کہ ہم پیسے دیں گے جتنے مرضی آپ ہمارے ایڈیٹر بن جائیں انہوں نے کہا نہیں نہیں ہم نے تو ادھر ہی کام کرنا ہے۔ اسی طرح پھر انگلش اخبار کے تھے، یعقوب علی خان، مولانا یعقوب علی خان اس زمانے میں وہ سول اینڈ ملٹری گزٹ جو بعد میں ڈان بنا اس کے وہ مینجنگ ایڈیٹر شپ میں وہ شامل تھے اس سٹینڈر کے وہ لوگ تھے۔ اور جب قائداعظم محمد علی جناح نے ڈان کا آغاز کیا تو انہوں نے کہا کہ اس کا سٹینڈر وہی ہوگا جو سول اینڈ ملٹری گزٹ کا تھا۔ تو اب اور لوگ جو ان کے بارے میں اس زمانے کے رائٹر لکھتے ہیں۔ پہلے عبداللہ یوسف علی صاحب کا بتا دیتا ہوں کہ عبد اللہ یوسف علی صاحب جو انگریزی ترجمہ لکھتے تھے قرآن شریف کا وہ روزانہ تقریباً شام کو مولانا محمد علی صاحب کے پاس آجاتا تھا۔ ایڈیٹنگ کے لئے کہ اس میں کوئی غلطی ہے اور یہ ان کی علمی ایمانداری تھی کہ وہ کیا کرتے تھے کہ آخر میں ایم اے لکھتے تھے یعنی محمد علی کہ یہ ان سے میں نے لیا اور پہلا جو انکا ترجمہ تھا۔ انگریزی قرآن کا اس میں وفات مسیح کا انہوں نے لکھا ہے۔ یہ بعد کی بات ہے کہ جب لوگوں نے نئے ایڈیشن چھاپے ان کے مرنے کے بعد اس میں انہوں نے تبدیل کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ جو اور اس زمانہ کے بڑے رائٹر تھے۔ اس میں مارماڈیوک پکھتال صاحب جو کہ براہ راست ان کے شاگردوں میں شامل تھے۔ ان کا بہت مشہور اخبار تھا جو کہ حیدر آباد دکن سے نکلتا تھا اس میں انہوں نے کہا Probably no man living has done longer or more valuable service for the cause of Islamic revival than Maulana Muhammad Ali.

ایک اور انگریزی مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے کہا کہ ”محمد علی کی علمی عظمت کا انکار کرنا اسی طرح ہے جیسے سورج کی روشنی کا انکار کرنا۔ پھر اس طرح علامہ اسد جو اس زمانے کے بڑے رائٹر قرآن شریف کے مفسر گزرے ہیں۔ ابھی حال ہی میں انہوں نے علم آپ حاصل کیا اور آگے بھی اس کو بڑھایا۔ تو اس کے علاوہ جو دوسرے پاکستان کی ہسٹری سے ریلیٹڈ لوگ تھے اس میں علامہ اقبال صاحب اور علامہ اقبال صاحب ان کے کلاس فیلو اور دوست بھی تھے اور علمی بھی ان کو شغف تھا۔

اور اس حد تک کہ جب انہوں نے قادیان جماعت سے علیحدگی کا اعلان کیا اس کے باوجود بھی یہ جماعت احمدیہ لاہور مولانا محمد علی صاحبؒ کے ساتھ جڑے رہے یہاں تک کہ جو سالانہ جلسہ ہوا اس کے وہ صدر تھے۔

احمدیہ انجمن کا جو اس وقت جلسہ ہوا اس کے وہ صدر تھے۔ اور جہاں تک میں نے سنا ہے واللہ اعلم کہ جس دن علامہ اقبال صاحب کی وفات ہوئی اس دن بھی انہوں نے مولانا محمد علی صاحبؒ کو بلا بھیجا تو جب وہ آئے تو ان سے کہا کہ آپ اُمت اسلامیہ کے لئے دعا کریں۔ اس زمانے میں جب مولانا صاحب کی وفات ہوئی 1951ء میں اس زمانے کی جو انگلش کی، اُردو کی اخباریں ہیں ان میں لکھا ہے کہ یہ علم کے جہاد میں ایک مجاہد تھا۔ جس نے قلم کے ساتھ جہاد کیا اور جیسے کہ ابھی بیان کیا کہ انہوں نے وہ سوچ دے دی اور وہ کھوج لگا گئے تاکہ ہم اس کو آگے تک پہنچائیں، ریسرچ کریں اور اس میں شامل ہوں، جتنا ہوسکتا ہے کریں اور پھر جیسے کہ ابھی ایک طرح سے ایک خواہش کا اظہار ہے کہ ہم نے اس معیار تک کام نہیں کیا جس طرح ہمارے بزرگوں نے کیا اور یہ بات صحیح ہے۔ لیکن یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ اب فوکس چینج ہوگیا ہے پہلے تو علمی مباحث ہوتے تھے آپس میں بیٹھ کر بات ہوتی تھی، کتابیں پڑھتے تھے۔ اب تو انٹرنیٹ کے ذریعے لوگ پڑھتے ہیں یا آڈیو کتابیں پڑھتے ہیں تو اب موڈم چینج ہوگیا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ ہمیں بھی بدلنا ہوگا۔ ورنہ ہم اس کے اوپر پورے نہیں اتریں گے۔ میں آج سے بارہ سال پہلے حج پر گیا تھا تو میں الازہر گیا تو وہاں پر انہوں نے مجھے بتایا کہ انہوں نے انگلش سے مولانا محمد علی صاحبؒ کی کتابیں عربی میں ٹرانسلیٹ کی ہیں۔ اور میں نے جماعت والوں سے اپروچ کی

ہے۔ان سے کہا کہ میں زیادہ تو نہیں لیکن پانچ ہزار ڈالر دوں گا کہ کوشش کریں کہ یہ کتب جو عربی میں ٹرانسلیٹ ہو چکی ہیں یا ہو رہی ہیں یہ ان کتب خانوں میں سعودی عرب میں پہنچائی جائیں کیونکہ انہوں نے جو دہشت گردی والی کتابیں تھیں وہ نکال دی ہیں اب وہ لائبریری کے شلف خالی ہیں۔

تو میں نے جماعت سے یہ کہا ہے کہ آپ کوشش کریں کہ یہ کتابیں جو الازہر نے کی ہیں یہ صحیح اسلام ہے یہ کتابیں ان تک پہنچائیں پس میں بس آپ کی زندگی کے اوپر مختصراً ختم کرتا ہوں اور یہ کہوں گا کہ مولانا محمد علی صاحب جب فوت ہو رہے تھے تو ان کے قریب نصیر احمد فاروقی صاحب تھے ان کی وائف کے بھائی تھے اور وہ پاکستان کے 10 سال کیبنٹ سیکرٹری رہے ان کے دور میں اسلام آباد بنا۔اور بڑی ترقی ہوئی۔انہوں نے کہا کہ جب بالکل ان کی سانس اکھڑ رہی تھی آخری وقت تھا تو اس وقت انہوں نے ان کو نصیحت کی اور وہ ہمارے لئے بھی ہے۔وہی ہمارا مشن ہے۔انہوں نے کہا کہ دنیا تک قرآن شریف کو پہنچاؤ۔قرآن شریف اپنا کام خود کرے گا۔ہمارا مقصد قرآن شریف کو پہنچانا ہے جس طرح حضرت صاحب نے کہا کہ یورپ جاؤ تو یہ کہو کہ ہم کتب فروش ہیں یعنی کہ کتابیں بیچنے والے ہیں۔کیونکہ ہم انسان ہیں ہم کمزور ہیں ہمارے اخلاق اس طرح نہیں ہیں جس طرح صحابہ کے تھے۔ہمیں دیکھ کر ہو سکتا ہے کہ وہ متنفر ہو جائیں تو ان سے کہیں کہ ہم تو گنہگار ہیں۔ لیکن ہماری کتابیں اچھی ہیں۔آپ ان سے اگر کوئی فائدہ اٹھا سکتے ہیں تو اُٹھائیں تو جس طرح بیگم صاحبہ حضرت امیر، مولانا محمد علی صاحب نے ان کی زندگی پر جو تقریر کی ان کی وفات کے بعد اس میں ایک شعر لکھا تھا۔

وہ میں کہہ کر اجازت لوں گا۔

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
تمہیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

جزاک اللہ

بقیہ

برلن رپورٹ

چرچ میں اذان کی دعوت

23 ستمبر۔امام مسجد برلین کو دعوت دی گئی کہ وہ ایک چرچ میں آکر اذان ریکارڈ کروائیں۔یہاں ایک کلاسیکی اور نغماتی میوزک کی محفل کا اہتمام تھا جہاں ایک ہزار سے زائد سامعین موجود تھے۔سامعین نے اذان کو بے حد سراہا۔مسجد اور مسجد کے امام کا بھرپور انداز میں تعارف بھی کروایا گیا۔

قبول اسلام

24 ستمبر۔ایک جرمن خاتون محترمہ میری نے حضرت امیر ایدہ اللہ کے ہاتھ پر قبول اسلام کیا۔ان کا نام حضرت امیر نے مریم تجویز کیا۔حضرت امیر نے خاتون کے لئے دعا کی اور جرمن ترجمۃ القرآن کی کاپی بھی تحفتاً پیش کی۔

حضرت امیر ایدہ اللہ کی روانگی

25 ستمبر۔حضرت امیر ایدہ اللہ نے اپنے موجودہ قیام کے دوران کافی مصروف دن گذارے،اس دوران وہ ایک روز کے لئے ہیگ، ہالینڈ میں تشریف لے گئے اور جمعہ کا خطبہ بھی دیا اور پھر پاکستان کے لئے روانہ ہوئے۔ان کے قیام کے دوران جمعہ معمول سے زیادہ بارونق رہا۔امام ہاؤس میں لوگوں کی آمد اور گفتگو کا سلسلہ بھی رہا۔آپ قیام کے دوران نماز فجر کے بعد درس قرآن بھی دیتے رہے۔

ضلعی میئر کا بین المذاہب اجلاس کا اہتمام

27 ستمبر۔ہر تین ماہ کے بعد ولمرسڈورف ضلع کے میئر علاقہ کے مذہبی رہنماؤں کا اجلاس بلاتے ہیں۔اس دفعہ یہ اجلاس 27 ستمبر کو ہوا۔امام مسجد برلین نے اس موقع پر برلین مسجد کی تازہ ترین سرگرمیوں کا ذکر کیا۔جس سے ممبران متاثر ہوئے۔فیصلہ ہوا کہ آئندہ اجلاس برلین مسجد میں ہوگا۔

صبر و استقلال

قاری ارشد محمود

اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر بہت ساری مخلوقات کو پیدا کیا۔ ہر ایک مخلوق خدا تعالیٰ کے حکم کی پابند ہے۔ نہ وہ اس سے آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ اپنی مرضی سے پیچھے ہٹ سکتی ہے اس کی کئی ایک مثالیں ہم اپنی روزمرہ زندگی میں دیکھتے ہیں۔ شہد کی مکھی کو ہی دیکھ لیں اُس کو اللہ تعالیٰ نے کام میں لگایا کہ وہ شہد دے وہ بخوبی اپنا کام سرانجام دے رہی ہے۔ اسی طرح جب ہم اپنے گردونواح میں نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ہر ایک چیز سورج چاند ستارے اور ہوا اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی زمین پر بسنے والی تمام مخلوقات میں سے ایک مخلوق انسان ایسی ہے جسے اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جسے اشرف المخلوقات کہا گیا اُسے آزمائش کے ساتھ وابسطہ کر دیا گیا۔ اب انسان کو وہ سب کچھ کرنا ہے۔ جس سے اس کا اشرف المخلوقات ہونا ثابت ہو۔ انسان نے جب اس کائنات میں آنکھ کھولی۔ تو ویرانہ دیکھا۔ آسمان کی بلندیوں کو دیکھ کر سوائے خوش ہونے کے کچھ نہ کر سکتا تھا اور بعض لوگوں نے تو یہاں تک لکھا کہ انسان کسی اور کرۂ ارض میں بسایا گیا۔ اب اس کرۂ ارض میں انسان نے اپنے رہن سہن اور خوراک کا انتظام خود کرنا تھا۔ انسان جیسے جیسے آگے بڑھتا گیا۔ آبادی زیادہ ہوتی گئی اور ضروریات بڑھتی چلی گئیں۔ اور مختلف طرح پر انسان مصائب اور تکالیف کو برداشت کرتے ہوئے ترقی کی راہوں پر گامزن رہا۔ انسان کے اوپر خدا تعالیٰ کے انعامات اس قدر زیادہ ہیں کہ اس کو شمار کرنا ناممکن ہے لیکن سب سے بڑا انعام اور فضل جو اللہ تعالیٰ کا انسانیت کے اوپر ہے وہ انبیاء کا مبعوث کرنا ہے جن کے ذریعے انسان کو اس دنیا کے اندر رہنے سہنے کا شعور ملا۔ انبیاء نے یہ تعلیم دی کہ تمہیں ترقی کے لئے مصائب اور تکالیف سے گزرنا ہی پڑے گا۔ یہ مصائب تمہارے لئے آزمائش ہیں ان پر صبر اور استقامت سے کام لینا۔ اور بات بھی ایسی ہی ہے کہ ہم کسی چیز کے اوپر بھی غور کریں جو ہمیں بہت خوبصورت لگ رہی ہوتی ہے مگر وہ چیز خوبصورتی میں آنے سے پہلے کئی تکالیف سے گزر چکی ہوتی ہے۔ مصائب اور تکالیف سے گزرے بغیر ترقی ناممکن ہے۔ قرآن حکیم میں سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 155 میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں: ''اور ضرور ہم کسی قدر ڈر اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے تمہارے امتحان کریں گے''۔ اب یہاں پر اللہ تعالیٰ نے پہلی بات یہ بتائی کہ ڈر کے ساتھ اور خوف کے اندر بھی تمہارے لئے آزمائش ہے۔ اس لئے نیکوں پر جو تکالیف آتی ہیں اور وہ اس پر صبر کرتے ہیں تو ان کے لئے بلندی درجات کا سبب بن جاتی ہیں۔ آج اگر ہم ہر قسم کے خوف سے ڈرائے جا رہے ہیں تو پریشان نہ ہوں ہم سے کہیں بڑھ کر مصائب ہمارے نبیؐ نے اُٹھائے لیکن حق کا دامن نہ چھوڑا۔ جیسے حضرت نبی کریم صلعم نے استقامت سے کام لیا اور آپؐ کے ساتھیوں نے صبر کا مظاہرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے کامیابی کے ساتھ اُن کو سُرخرو کیا۔ ہمیں بھی آج ویسے ہی حالات کا سامنا ہے جن کا کل اصحاب رسول کو تھا۔ ہمارے لئے بھی قرآن کریم کا وہی حکم ہے جو اصحابہ رسولؐ کے لئے تھا۔ جیسے وہ کامیاب ہوئے۔ ایسے ہی ہم بھی کامیاب ہونے والے ہیں۔ ہمیں یہ یقین کامل رکھنا چاہیے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم تمہیں بھوک اور مالوں کے نقصان سے آزمائیں گے۔ اس کی مثالیں بھی نبی کریمؐ کی زندگی میں ملتی ہیں۔ اسی

آیت کی تشریح کرتے ہوئے مولانا محمد علیؒ نے بڑی خوبصورت بات کہی۔ کوئی قوم بڑی نہیں بنتی اور نہ کوئی انسان بڑا بنتا ہے جب تک مصائب کی کٹھالی میں نہ پڑے۔ پس قضاوقدر کے مصائب انسان کو بڑا بنانے کے لئے ہیں۔ نہ عذاب کے طور پر، اصطفا کے رنگ میں نہ ہلاکت کے طور پر۔ اس آیت سے صحابہ کے کمال صبر پر شہادت ملتی ہے۔ وطن، گھر بار، اموال، جائیدادیں سب کچھ چھوڑ کر اور صرف دین کو لے کر مدینہ میں پہنچے مگر یہاں ابھی اور مصائب کی خبر سنائی جاتی ہے کس قدر کمال صبر ہے کہ اس سے گھبرائے نہیں بلکہ ان نئے مصائب کو خدا کی راہ میں خوشدلی سے برداشت کرتے ہیں۔ اسی میں انسان کی کامیابی ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے آزمائش کسی بھی صورت میں آسکتی ہے۔ ایک مومن کو اُسی کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہیے، قرآن کریم کے اندر ہی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم تمہاری آزمائش جانوں سے بھی کریں گے۔ مطلب یہ کہ اللہ کے دین کے سربلندی کے لئے آخر اپنی جان کی بھی قربانی دینی پڑے تو ہمیں پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے''۔ الحمد اللہ ہماری جماعت میں اس کی بہت ساری مثالیں ملتی ہیں۔ امام وقت نے جو جماعت بنائی اُس کی بنیاد یہ تھی کہ ہر حال میں ہم دین اسلام کو مقدم کریں گے۔ دین اسلام کی خاطر ہر چیز کو قربان کردیں گے۔ ملفوظات کی جلد نمبر 1 اور صفحہ نمبر 8 پر حضرت صاحب نے بڑے خوبصورت الفاظ میں اس بات کو واضح کیا۔

اُس اصول کو ہمیشہ مدنظر رکھو۔ مومن کا کام یہ ہے کہ وہ کسی کامیابی پر جو اسے دی جاتی ہے۔ شرمندہ ہوتا ہے اور خدا کی حمد کرتا ہے کہ اس نے اپنا فضل کیا۔ اور اس طرح ہر وہ قدم آگے رکھتا ہے اور ہر ابتلاء میں ثابت قدم رہ کر انعام پاتا ہے بظاہر ایک کافر اور مومن کی کامیابی ایک رنگ میں مشابہ ہوتی ہے لیکن یاد رکھو کہ کافر کی کامیابی ضلالت کی راہ ہے اور مومن کی کامیابی سے اس کے لئے نعمتوں کا دروازہ کھلتا ہے۔ کافر کی کامیابی اس لئے ضلالت کی طرف لے جاتی ہے کہ وہ خدا کی طرف رجوع نہیں کرتا بلکہ اپنی محنت دانش اور قابلیت کو خدا بنالیتا ہے۔ مگر مومن خدا کی طرف رجوع کر کے خدا سے ایک نیا تعارف پیدا کرتا ہے اور اس طرح پر ہر ایک کامیابی کے بعد اس کا خدا سے ایک نیا معاملہ شروع ہوجاتا ہے اور اس میں تبدیلی ہونے لگتی ہے۔ ان اللّٰہ مع الذین اتقو (128:16) ''خدا ان کے ساتھ ہوتا ہے جو متقی ہوتے ہیں'' یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن شریف میں تقویٰ کا لفظ بہت مرتبہ آیا ہے اس کے معنی پہلے لفظ سے کئے جاتے ہیں۔ یہاں مع کا لفظ آیا ہے یعنی جو خدا کو مقدم سمجھتا ہے خدا اس کو مقدم رکھتا ہے اور دنیا میں ہر قسم کی ذلتوں سے بچالیتا ہے۔ میرا ایمان یہی ہے کہ اگر انسان دنیا میں ہر قسم کی ذلت اور سختی سے بچنا چاہے تو اس کے لئے ایک ہی راہ ہے کہ متقی بن جائے پھر اس کو کسی چیز کی کمی نہیں۔ پس مومن کی کامیابیاں اس کو آگے لے جاتی ہیں اور وہ وہیں ہی نہیں ٹھہر جاتا''۔

آج ہمیں کامیابی کے لئے اسلام کے بنیادی اصولوں کو ہی سامنے رکھنا ہوگا نبی کریم صلعم کی زندگی صحابہ کرامؓ کا طریقہ کار ہماری رہنمائی کے لئے کافی ہے۔ ہماری جماعت نے ہمیشہ مالی اور جانی قربانی دے کر دین اسلام کو تقویت دی۔ صاحبزادہ عبدالطیفؒ کی شہادت اس بات کا واضح ثبوت ہے۔ اگر ہمیں اللہ کے دین کی خاطر اپنی جان کی قربانی بھی دینی پڑے تو ہم پیچھے نہ ہٹیں۔ اللہ تعالیٰ سے استقامت کی دُعا ہے۔

مجاہدین احمدیت میں سے دو عظیم مجاہدوں کا مختصر تذکرہ

عائشہ تنویر

میں دو عظیم المرتب شخصیات امیر اوّل حضرت مولانا محمد علیؒ اور امیر چہارم ڈاکٹر اصغیر حمید صاحب کی زندگی پر کچھ روشنی ڈالنا چاہوں گی۔ امیر اوّل حضرت مولانا محمد علیؒ جماعت احمدیہ کے ان عالی مرتبہ لوگوں میں سے تھے جنہیں امام زمان، مجدد صد چہاردہم، مسیح موعود کی نہ صرف صحبت کا شرف حاصل ہوا بلکہ اس سے بڑھ کر حضرت صاحب کے اپنے مکان میں آپ کے زیر سایہ رہ کر آپ کی تحریرات وتقاریر کو انگریزی جامہ پہنا کر آپ کے فیوض روحانی اور علم وحکمت سے انہوں نے وہ حصہ وافر حاصل کیا جو دوسروں کو بہت کم نصیب ہوا۔ مولانا محمد علی صاحب 1874ء میں ریاست کپورتھلہ کے ایک گاؤں ''مرالہ'' میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کی تعلیم بڑی کامیاب رہی بلند پایہ انگریزی دان ہونے کے علاوہ آپ نے پنجاب یونیورسٹی میں قانون کا مطالعہ کیا تھا اور وکالت کا پیشہ اختیار کرنے کی تیاری کی مگر قدرت نے آپ کے لئے احیاء اسلام کا کام مقدر کر رکھا تھا۔ آپ نے 1897ء میں حضرت مرزا صاحب کی بیعت کی۔ حضرت مسیح موعود کی منشا کے مطابق آپ نے ان کے پاس رہ کر ان کی تحریرات کا انگریزی میں ترجمہ کرنے کا کام اپنے ذمہ لے لیا۔ حضرت مرزا صاحب نے آپ کی ادارت میں ایک ماہوار رسالہ جاری کرنے کا فیصلہ کیا۔ 1902ء میں رسالہ ریویو آف ریلیجنز کے نام سے اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں جاری ہوگیا۔ تھوڑے عرصہ میں ملک کے انگریز دان طبقہ کے علاوہ یورپ اور امریکہ میں بھی کافی شہرت حاصل ہوئی۔ اس رسالہ کی انگریزی زبان کے متعلق بعض حلقوں میں یہ شبہ کیا جاتا تھا کہ مرزا صاحب نے کوئی انگریزی ملازم رکھ ہوا ہے جو ''محمد علی'' کے فرضی نام سے اس رسالہ کو ایڈٹ کرتا ہے۔ حضرت مسیح موعود نے ازالہ اوہام میں اپنی اس خواہشوں کا اظہار کیا کہ اگر قوم عدل واحسان سے میری مدد میں مصروف ہوتو میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر تیار کر کے اور انگریزی میں ترجمہ کروا کر ان انگریزوں کے پاس بھیجی جائے۔ خدا کی شان حضرت مسیح موعود کی اس خواہش کو پورا کرنے کی توفیق بھی حضرت مولانا محمد علی صاحب کو ملی جنہوں نے کئی سال کی محنت سے قرآن کا انگریزی ترجمہ کر کے یہ ثابت کر دیا کہ آپ ایک مجاہد احمدیت اور حضرت مسیح موعود کے کام کے حقیقی علمبردار ہیں۔ مولانا محمد علی نے قرآن کا انگریزی ترجمہ کر کے اسلام کی جو عظیم الشان خدمت سرانجام دی ہے۔ اس کا اعتراف نہ کرنا سورج کی روشنی سے انکار کرنا ہے۔ اس ترجمہ کی بدولت نہ صرف ہزاروں غیر مسلموں نے اسلام کے دامن میں پناہ لی بلکہ ہزاروں مسلمان بھی اسلام کے زیادہ قریب آگئے۔ آپ فی الواقعہ وہ مجدّدین تھے جس کے قلم سے اسلام کی بزرگی اور عظمت قائم ہوئی۔

یہ علم آپ نے کہاں سے لیا۔ بیان القرآن کے دیباچہ میں آپ لکھتے ہیں کہ قرآن شریف کی اس ناچیز خدمت کے لئے سلف صالحین کی محبت سے بہت فائدہ اٹھایا ہے مگر میری زندگی میں جس شخص نے قرآن کریم کی محبت اور خدمت کا شوق پیدا کیا ہے وہ اس صدی کے مجدد وقت حضرت مرزا غلام احمد قادیانی ہیں۔ میں محض مٹی ہوں اگر اس میں کچھ خوشبو کسی کو معلوم ہوتو وہ کسی اور کی پھونکی ہوئی روح ہے۔ جب میاں محمود احمد صاحب نے کفر واسلام کا مسئلہ چھیڑ دیا اور اعلان کیا کہ جو شخص مسیح موعود کی بیعت نہیں کرتا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے تو مولانا محمد علی صاحب کی اس جرأت کی داد دینی پڑتی ہے کہ انہوں نے قادیان میں رہتے ہوئے جہاں اس وقت اشتعال پھیلا ہوا تھا میاں محمود احمد صاحب کے خلاف آواز اُٹھائی اور جماعت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی بنیاد اس وقت رکھی جب آپ کے ساتھ گنتی کے چند آدمی تھے۔ اس بناء پر محمود احمد صاحب نے پیشگوئی کی تھی کہ یہ جماعت ٹکڑے ٹکڑے ہوکر تباہ ہوجائے گی۔ لیکن واقعات بتارہے ہیں کہ یہ جماعت نہ صرف آج تک قائم ہے بلکہ حضرت مولانا

محمد علی صاحب کی قیادت میں اس نے جو کام تجدید اسلام کے لئے کیے ہیں وہ رہتی دنیا تک یادرہیں گے۔حضرت مولانا محمد علی صاحب کی زندگی کا بغور مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ایک طرف آپ علم و ہنر کے پتلے اور روحانی علوم و فیوض کے سرچشمہ تھے تو دوسری طرف آپ کو انتظامی امور کے لئے اللہ نے خاص قوت عطا کی تھی۔انتظامی امور میں آپ کو کمال حاصل تھا اور معاملہ فہمی کی قوت سے آپ کو اللہ نے خاص طور پر نوازا تھا۔آپ کی ان تمام خوبیوں کا اور قوتوں کا اصل راز آپ کا تعلق باللہ تھا۔نماز آپ کی حقیقی روحانی غذا تھی اور قرآن سے آپ کو عشق تھا۔آخر مجدد ِوقت کا یہ روحانی فرزند قرآن اور اسلام کی خدمت سرانجام دیتے ہوئے 10 محرم الحرام کے یادگار دن جس دن حضرت امام حسینؓ کو شہادت کا رتبہ حاصل ہوا تھا۔اسی دن آپ بھی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

اب میں ایک دوسری ہستی کی زندگی پر کچھ روشنی ڈالنا چاہتی ہوں جنہوں نے مولانا محمد علی ہی کی طرح اپنی زندگی اسلام اور جماعت کی خدمت میں گزاری۔اور دونوں کا انتقال ایک ہی مہینہ یعنی اکتوبر میں ہوا۔وہ جماعت احمدیہ لاہور کے چوتھے امیر جناب ڈاکٹر اصغر حمید صاحبؒ تھے۔آپ 1919ء کو لاہور میں پیدا ہوئے ۔ پرائمری اور ثانوی تعلیم اپنے آبائی شہر امرتسر میں حاصل کی ۔ایم۔اے۔او سکول امرتسر سے 1933ء میں میٹرک پاس کیا۔ وہیں سے ایف ایس سی پاس کی۔اعلیٰ تعلیم کے لئے گورنمنٹ کالج میں داخل ہوئے۔1937ء میں حساب میں آنرز کیا۔1939ء میں پنجاب یونیورسٹی سے حساب میں ایم اے کیا۔آپ انجینئرنگ کالج لاہور میں حساب کے لیکچرار متعین ہوئے اور اسی دوران برطانیہ کی ریڈن برگ یونیورسٹی سے حساب میں پی ایچ ڈی مکمل کر لی۔

1961ء میں جب انجینئرنگ کالج کو یونیورسٹی کا درجہ دیا گیا تو آپ کو شعبہ حساب کا ''ڈین'' مقرر کیا گیا اور آپ اس جگہ پر 1979ء تک متعین رہے۔آج پاکستان میں آپ کے لاتعداد شاگرد اہم عہدوں پر فائز ہیں۔

ڈاکٹر اصغر حمید صاحبؒ جماعت احمدیہ لاہور کے چوتھے امیر تھے۔آپ نے جماعت کی باگ دوڑ اس وقت سنبھالی جب جماعت انتہائی نازک حالات سے گزر رہی تھی۔آپ نے چھ سال تک پوری تن دہی سے جماعت کی خدمت کی۔آپ نے مردم شناسی اور دور اندیشی سے جماعت میں اتحاد اور ترقی کی روح پھونکنے کی کوشش کی۔آپ قرآن کریم احادیث اور سنت رسول صلعم سے ہر طور پر رہنمائی حاصل کرنے کا مشورہ دیتے بلکہ خود بھی انہی کی روشنی میں فیصلہ کرتے۔جو بھی ان سے ملنے جاتا ان کی وسعت علم سے فیض یاب ہو کر آتا۔ ڈاکٹر اصغر حمید صاحب نے ریٹائرمنٹ کے بعد اپنی زندگی کو خدمت سلسلہ احمدیہ کے لئے مکمل طور پر وقف کر دیا۔

درس قرآن کریم،خطبہ جمعہ، پیغام صلح اور اخبار لائٹ کے لئے لکھنا ان کا معمول تھا۔ بیرون ملک سے تبلیغی کلاس میں شرکت کے لئے آنے والے نوجوانوں کو آپ قرآن کریم اور سلسلہ کی کتابیں بھی بڑھاتے رہے۔

آپ نے حضرت مسیح موعودؑ کی کتاب ''البریہ'' کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ حضرت مسیح موعودؑ کی تحریروں میں پائے جانے والے عربی الفاظ کی ایک گائیڈ اور لغت ترتیب دی تاکہ حضرت صاحب کی کتب کو سمجھنے میں آسانی ہو۔درس قرآن کریم میں مولانا محمد علیؒ کی تفسیر کو مدِ نظر رکھتے تھے۔حضرت امیر مرحوم جناب ڈاکٹر اصغر حمید صاحبؒ نماز کے نہایت پابند بلکہ تہجد گزار انسان تھے۔اس لئے سب کو خصوصاً نوجوانوں کو نماز اور تہجد کی تلقین فرماتے۔سنتِ رسول صلعم کی پیروی میں گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتے۔آپ نہایت صاف گو اور مخلص دوست تھے۔آپ کے یونیورسٹی کے رفقاء آپ کو فرشتہ کہتے تھے۔آپ ان گنت خوبیوں سے مزین شخصیت کے حامل انسان تھے۔مختصراً حضرت امیر ڈاکٹر اصغر حمید صاحبؒ کی مومنانہ صفات اور اخلاق حسنہ بیان کرنے کے لئے یہ اشعار کافی ہیں:

وہ کام کر کہ عمر خوشی سے کٹے تیری
وہ کام کر کہ تجھے یاد سب کیا کریں
جس جا پہ تیرا ذکر ہو ذکرِ خیر ہو
اور نام تیرا لیں تو ادب سے لیا کریں

انگریزی سے ترجمہ: ہما خالد، ایم۔اے

برلین مسجد میں تبلیغی سرگرمیاں

رپورٹ ماہ اگست وستمبر 2018ء

از: عامر عزیز، ایم اے (امام، برلین مسجد)

ارل لانگن یونیورسٹی کے ڈاکٹر یورن تھاکمن کی برلین مسجد میں آمد

9 جولائی۔ ڈاکٹر یورن تھاکمن جو ارل لانگن یونیورسٹی میں اہم تاریخی اہمیت کے دستاویزات اور یادداشتوں کے تحفظ کے ماہر ہیں۔ وہ ڈاکٹر گرڈین یونکر کے ہمراہ برلین مسجد کے امام ہاؤس میں تشریف لائے۔ گذشتہ کئی سالوں سے ڈاکٹر گرڈین یونکر مسجد اور امام ہاؤس میں موجود کتب، رسائل، خط وکتابت، تصاویر اور اخباروں کے تراشے وغیرہ کو ترتیب اور مرتب کرنے میں مصروف تھیں۔ انہی کی کوشش سے ارل لانگن یونیورسٹی کے ڈاکٹر یورن تھاکمن صاحب کا تعاون حاصل کیا گیا ہے اور اس تمام مواد کو سائنسی طریق پر محفوظ کرنے اور اس کو قومی ادارہ برائے تحفظ یادداشتوں و دستاویزات کے سپرد کیا جائے گا اور پھر آخری مرحلہ میں اس سارے مواد کو قومی ادارے کے نظام سے ملا دیا جائے گا۔ اس سلسلہ کی پہلی باقاعدہ میٹنگ 9 جولائی کو سکائپ کے ذریعے امام ہاؤس میں ہوئی۔ جس میں حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم صاحب اور چوہدری سعادت احمد صاحب (فنانشل سیکرٹری مرکزی انجمن) نے پاکستان سے، ناصر احمد صاحب اور محترم شاہد عزیز صاحب نے انگلستان سے اور محترم عبدالصمد سنتو صاحب نے راٹرڈیم، ہالینڈ سے شرکت کی۔ برلین میں عامر عزیز صاحب امام مسجد برلین اور سیکرٹری برلین احمدیہ انجمن اس میٹنگ کی میزبانی کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اس میٹنگ میں تفصیل سے گفتگو ہوئی کہ کس طرح مسجد اور امام ہاؤس میں موجود مواد کو مزید محفوظ کیا جائے گا اور قومی ادارہ کے معاہدہ کی شقوں کی جزیات کا جائزہ لیا گیا اور فیصلہ ہوا کہ ستمبر میں احمدیہ انجمن برلین جرمنی کے باقاعدہ اجلاس میں جس میں اس کام میں تعاون کرنے والے تمام ارکان کی موجودگی میں اس بارے میں حتمی فیصلہ کیا جائے گا اور پھر اس معاہدہ پر قومی ادارہ میں جا کر دستخط کیے جائیں گے۔

فوجی مذہبی تربیت گاہ کے وفد کی آمد

15 اگست۔ اولڈن برگ میں فوج کے مذہبی تربیت گاہ سے 25 افراد کا ایک وفدان کے چرچ کے نگران پادری جناب انڈریاس طیارسپل میر کی سرگردگی میں برلین مسجد آیا۔ تقریباً ایک گھنٹہ تک سوال و جواب کا سلسلہ ہوا۔ یہ شہر جرمنی کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ اس وفد میں کافی معلومات رکھنے والے اور ذہین لوگ شامل تھے۔ نگران پادری صاحب کو جرمن ترجمۃ القرآن کی ایک کاپی تحفۃً پیش کی گئی۔

18 اگست۔ ولمرسڈورف کا علاقہ جس میں برلین مسجد واقع ہے۔ اس کے ممبر پارلیمنٹ جناب کلاس ڈائٹر گروہلر صاحب نے تمام مذہبی جماعتوں کے نمائندوں کے لئے ایک اجتماعی ناشتہ کا اہتمام کیا تھا۔ اس میں مذہبی افہام وتفہیم اور ہم آہنگی کے فروغ کے معاملات پر گفتگو ہوئی۔ امام مسجد برلین عامر عزیز صاحب اور ایک اور ممبر نے مسجد کے مؤثر کردار ادا کرنے کی تفصیل بتائی اور اس کے لئے مزید ضروریات اور لوازمات مہیا کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ اس مجلس

میں دیگر مذہبی اور سیاسی لوگوں سے ملنے کا موقع بھی ملا۔ جن میں برلین مسجد کی سرگرمیوں کا ذکر کیا گیا۔

تعمیراتی کمپنی سے موجودہ اور آئندہ کے کاموں کے بارے میں تفصیلی گفتگو

24اگست۔ برلین مسجد اور امام ہاؤس کی مرمت اور آراستہ کرنے والی تعمیراتی کمپنی کے ساتھ میٹنگ امام ہاؤس میں ہوئی۔ اس میں یہ طے پایا کہ ستمبر میں ہونے والی احمدیہ انجمن برلین کے باقاعدہ اجلاس میں آئندہ ہونے والے کاموں کے متعلق تجاویز، تخمینہ اخراجات اور دیگر امور پر حتمی فیصلہ کیا جائے گا اور طے پایا کہ تفصیلات کو باقاعدہ طور پر تیار کیا جائے تا کہ ایک تو یہ سب تک پہنچ سکیں اور دوسرے ان امور کے متعلق فیصلہ کرنے میں سہولت رہے۔

جاپان سے ایک طالب علم کی مسجد میں آمد

31اگست۔ اس دن جاپان سے ایک طالب علم برلین مسجد تشریف لائے اور جمعہ کے اجتماع میں شریک ہوئے۔ انہوں نے جمعہ کا خطبہ ریکارڈ کیا اور بعد میں امام صاحب کا بھی ایک تفصیلی انٹرویو لیا۔

رومن کھیتولک اکیڈیمی کے ایک وفد کی آمد

5ستمبر۔ برلین کی رومن کھیتولک اکیڈمی کا ایک وفد برلین مسجد تشریف لایا۔ اس وفد کی سرگردگی ڈاکٹر تھامس ورٹز کر رہے تھے۔ ان کو برلین مسجد کی تاریخ اور اسلام کے بارے میں تعارف کرایا گیا۔ اس کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ ہوا۔ وفد کے افراد نے اس معلوماتی پروگرام میں گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔ ڈاکٹر تھامس صاحب نے اپنی ایک کتاب تحفتہً مسجد کی لائبریری کے لئے عطا کی اور امام صاحب کا اس دلچسپ پروگرام ترتیب دینے کے لئے شکریہ ادا کیا۔

حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم صاحب کی آمد

6ستمبر۔ اس تاریخ سے تقریباً دو ہفتے تک خاصے گہما گہمی کے گذرے۔ حضرت امیر ایدہ اللہ کی آمد سے مسجد اور امام ہاؤس کی رونق میں کافی اضافہ ہوا۔ دیگر مہمانوں کی آمد بھی شروع ہوگئی۔ پاکستان سے جناب چوہدری سعادت احمد صاحب (فنانشل سیکرٹری مرکزی انجمن پاکستان)، ناصر احمد صاحب، شاہد عزیز صاحب (صدر یو کے جماعت)، ڈاکٹر اور بیگم جواد احمد صاحب اور ان کا ہونہار بیٹا انشال احمد صاحب، محمد علی صاحب سابق امام برلین مسجد اور احمد سعادت صاحب سابق امام مسجد برلین۔ برادرم مشتاق علی صاحب اور ان کی بیگم ناظرہ علی اور بیٹی عبیدہ علی۔ یہ سب احباب انگلستان سے تشریف لائے۔ اسی طرح محترمہ خالدہ عبداللہ صاحبہ سرینام سے، مدثر عزیز صاحب ہالینڈ سے، محترم عبدالعزیز صاحب بمعہ اہلیہ اور دونوں بیٹے وُسلز جرمنی سے، پروفیسر ظفر اقبال صاحب مرحوم کی اہلیہ، ان کی صاحبزادی سمیرہ سلیم، ان کے خاوند خرم سلیم صاحب، نواسی منہال اور نواسہ مدثر بھی فرینکفورٹ سے پہنچ گئے۔ ان سب کی آمد سے رونق کے علاوہ لونگ نائٹ آف ریلیجنز اور مونیومنٹ ڈے کے انتظامات میں کافی مدد ملی۔

اسی روز برلین کی طرف سے لونگ نائٹ میں شریک ہونے والی تنظیموں کے نمائندوں کو برلین کے مرکز میں جنڈا مین مارکٹ کے مقام پر ایک رنگا رنگ استقبالیہ تقریب منعقد ہوئی جس میں مختلف مذہبی تنظیموں کی طرف سے مختلف پکوانوں کا بھی اہتمام تھا۔ برلین مسجد کی طرف سے ڈاکٹر جواد احمد صاحب، انشال احمد صاحب، خرم سلیم صاحب اور ان کی اہلیہ سمرا سلیم، نواسہ مدثر، محترم محمد علی صاحب اور احمد سعادت صاحب نے شرکت کی۔ اس مرتبہ سکھوں کی مذہبی تنظیم کی طرف سے چٹ پٹے پکوڑے اور دیگر لذیذ پکوانوں کو منفرد حیثیت حاصل رہی۔ اس موقع پر ڈائریکٹر لونگ نائٹ صاحب نے مختصر خطاب بھی کیا اور اس دن کو تمام مذہبی اور دیگر طبقوں میں یگانگت پیدا کرنے کی اہمیت کو سراہا۔

10-9-8 ستمبر کے ان تین خصوصی دنوں میں ڈاکٹر جواد احمد صاحب، محمد علی صاحب اور مشتاق علی صاحب نے احباب و خواتین کی ترکی کھانوں سے خاطر تواضع کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جو خاصہ پرلطف رہا۔

لونگ نائٹ اور مونیومنٹ ڈے

9-8 ستمبر۔اس سال لونگ نائٹ آف ریلیجنز اور مونیومنٹ کے دونوں دن ان تاریخوں میں منعقد ہوئے ۔ 8 ستمبر کو مسجد صبح 10 بجے سے رات 12 بجے تک لوگوں کی آمد کے لئے کھلی رہی ۔ ہر ایک گھنٹہ کے بعد جرمن زبان میں مسجد کی تاریخ اور اسلام کے بارے میں تعارفی تقاریر کا اہتمام تھا۔اور پھر ساتھ ساتھ سوال و جواب کا سلسلہ بھی ہوتا رہا۔مسجد کی تاریخ کے متعلق رنگین معلوماتی فولڈرز لوگوں میں تقسیم کئے گئے اور کئی زائرین کو جرمن اور انگریزی تراجم قرآن کی کاپیاں بھی دی گئیں۔اس موقع پر ڈاکٹر گرڈین یونکر صاحبہ جو مسجد کی سرگرمیوں میں خاص دلچسپی رکھتی ہیں ۔اور جنہوں نے تحریک احمدیت اور مسجد کے بارے میں کئی مضامین اور دو کتب بھی تصنیف کی ہیں۔انہوں نے مسجد میں موجود کتب، دستاویزات اور تصاویر کی نہ صرف تفصیل اور اہمیت بیان کی بلکہ ان کو محفوظ کرنے کے سلسلہ میں جرمنی کے تحفظ کے قومی دستاویزات کے ادارہ سے عنقریب ایک معاہدہ ہونے کا بھی ذکر ہے۔جس کے ذریعہ مسجد میں موجود مواد کو نہ صرف سائنسی طریق پر ترتیب اور محفوظ کیا جائے گا بلکہ اس کو حکومت کے تحفظ دستاویزات کے ادارہ کے سپرد کر دیا جائے گا۔اور اس طرح حکومتی ادارہ کے ذریعہ برلین مسجد کے دستاویزات اس قومی ادارہ کے ذریعہ بین الاقوامی سلسلہ میں شامل ہو جائے گا۔اور پھر برلین مسجد کے مواد کو دنیا کے محققین تک رسائی ہو جائے گی ۔ یہ ایک انتہائی اہم اور خوشی کی بات ہے۔اس سلسلہ میں ڈاکٹر گرڈین جونکر کی دلچسپی اور شب و روز کی محنت ہماری شکریہ کا مستحق ہے۔

اس دن کا اختتام محترمہ خالدہ عبداللہ صاحبہ کی تلاوت قرآن مجید سے ہوا۔ محترم ناصر احمد صاحب نے آخر میں دعا کی ۔تقریباً چھ صد لوگ اس دن مسجد تشریف لائے۔

تاریخی اور مذہبی عبادتگاہوں کا دن

9 ستمبر۔اس کو مونیومنٹ ڈے کے نام سے منایا جاتا ہے۔اس دن بھی مسجد صبح 10 بجے سے شام 6 بجے تک کھلی رہی۔حسب معمول وقفے وقفے سے مسجد کی تاریخ سے متعلق معلوماتی تقاریر ہوتی رہیں اور پاور پوائنٹ کے ذریعہ تصاویر بھی دکھائی گئیں ۔امام مسجد برلین عامر عزیز صاحب کے علاوہ محمد علی صاحب، انشال احمد صاحب اور محترمہ سمیرہ سلیم صاحبہ نے بھی اس پروگرام میں امام مسجد برلین کا ہاتھ بٹایا اور مہمانوں کے سوالات کے جوابات بھی دیئے ۔ہر پروگرام کے بعد حضرت امیر انگریزی میں خطاب فرماتے اور اسلام کے آفاقی تعلیمات کے کئی پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ۔آپ بعد میں لوگوں سے گفتگو بھی فرماتے اور حسب ضرورت جرمن اور انگریزی ترجمۃ القرآن کی کاپیاں تحفتہً عطا فرماتے۔

اسی دوران ایک فلاحی ادارہ ڈوئش سٹفٹنگ ڈنکمال کے ایک سرگرم رکن جناب گنٹر پیڈز صاحب نے ادارہ کی طرف سے25,000 مارک کا چیک بطور عطیہ حضرت امیر کو پیش کیا۔ جناب پیڈز صاحب تقریباً آٹھ سال قبل اسی ادارہ کے صدر تھے اور انہوں نے مسجد کی مرمت کے سلسلہ میں ادارہ کی طرف سے دو بڑے اجلاس کا مسجد میں اہتمام کیا تھا۔جن میں 800 سے زائد جرمن خواتین و حضرات کے علاوہ بچوں نے بھی شرکت کی تھی۔بچوں نے مسجد اور امام ہاؤس کے مختلف حصوں کی ہاتھ سے تصاویر بنائیں اور خاص طور پر مشن ہاؤس پر جنگ عظیم دوم کے دوران گولیوں کے نشانات کو اجاگر کیا اور مسجد میں جناب پیڈز صاحب کے ہمراہ ایک دلچسپ پروگرام بھی پیش کیا۔جس میں کلمہ طیبہ کا ترجمہ اور اللہ کے نام کی اہمیت بیان کی گئی ۔اس موقع پر برلین مسجد کے متعلق معلوماتی لیکچر سے پہلے قرآن مجید کی تلاوت اور جرمن زبان میں اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا۔ یہ انتہائی خوشی کی بات ہے کہ جناب پیڈز صاحب نے اپنی مصروفیات کے باوجود مسجد سے دلچسپی کو قائم رکھا اور اس موقع پر چیک کو ادارہ کی طرف سے خود پیش کیا اور مختصر خطاب بھی فرمایا۔ ہم ان کے شکرگزار ہیں ۔ انہوں نے یہ وعدہ بھی کیا ہے کہ وہ آئندہ کسی وقت پھر ویسا ہی پروگرام مسجد میں منعقد کریں گے۔

نیشنل آرکائفز کے افسران سے اہم میٹنگ

10 ستمبر۔ یہ دن برلین مسجد کے لئے ایک خاص اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس دن جرمنی کے قومی ادارہ برائے تحفظ اہم دستاویزات سے ہونے والے معاہدہ پر حتمی فیصلہ کیا گیااور مسودہ کی شقوں پر تفصیل سے گفتگو ہوئی جس کے تحت ادارہ برلین مسجد اور مشن ہاؤس میں موجود جملہ کتب، خط وکتابت ، تصاویر اور مشن کی گذشتہ نوے سال پر محیط واقعات اور حقائق کو باقاعدہ طور پر مرتب اور مدون کرنے کے انتظامات کا بندوبست ہوگا اور پھر اس کو حکومت کے اس مخصوص ادارہ کے سپرد کر دیا جائے گا جو قومی ریکارڈ کے محفوظ کرنے کے نظام کے ذمہ دار ہیں۔اس طریق پر برلین مشن کا پورا ریکارڈ قومی ریکارڈ کے نظام سے منسلک ہوجائے گا۔اس میٹنگ میں ڈاکٹر یورن تھالمن شریک ہوئے جو اس پراجیکٹ کے انچارج ہیں۔اس منصوبہ میں ان کے معاون ڈاکٹر گرڈین یونکر اور انڈیا کے ڈاکٹر رزاق خان صاحب نے بھی شرکت کی۔

میٹنگ کے بعد حضرت امیر، چوہدری سعادت احمد صاحب اور انچارج صاحب نے ڈاکٹر گرڈین یونکر کے ہمراہ اس مواد کا جو ڈاکٹر یونکر گذشتہ تقریباً دو سال سے اس پر کام کر رہی ہیں، معائنہ کیا۔حضرت امیر ایدہ اللہ نے ڈاکٹر تھیل مین کو جرمن ترجمۃ القرآن کی کاپی بطور تحفہ پیش کی۔

اسی شام کو مجلس منتظمہ احمدیہ انجمن جرمنی کی میٹنگ تعمیراتی کمپنی کے اہم ارکان سے ہوئی جس میں مسجد کے بقیہ اور آئندہ مجوزہ کام اوران کے اخراجات پر تفصیل سے گفتگو ہوئی۔مسجد کے اندر کتب کے لئے الماریوں اور وضو خانہ وغیرہ کی تعمیر کے لئے انتظامات سے متعلق تجاویز اور ان پر اٹھنے والے اخراجات پر بھی غور کیا گیا۔اس میں زیادہ وقت تیسرے مرحلہ کے مرمت اور تزئین کی تجاویز اور اخراجات پر نہایت سنجیدگی سے غور وخوض پر صرف ہوا۔

چوہدری سعادت احمد صاحب نے اس بارے میں اخراجات پر کافی تفصیل سے بحث کی اور مالی وسائل اور ان کے حصول کا جائزہ لیا گیا۔

قومی ادارہ برائے تحفظ دستاویزات میں معاہدہ پر دستخط کی تقریب

11 ستمبر۔یہ دن برلین مشن کے لئے نہایت مبارک تھا۔کہ اس دن حضرت امیر ایدہ اللہ، چوہدری سعادت احمد صاحب (فنانشل سیکرٹری، مرکزی انجمن لاہور) اور عامر عزیز صاحب، امام مسجد برلین نے باقاعدہ طور پر اس معاہدہ پر دستخط کئے جس کے ذریعہ برلین مسجد کا سارا ریکارڈ محفوظ ہو کر قومی ریکارڈ کا حصہ بن جائے گا۔

قومی ادارہ پہنچنے پر ایک اہم رکن خاتون ڈاکٹر ہائک سکرول نے ہمارا استقبال کیا۔پھر سب کو ادارہ کے مختلف حصوں کا دورہ کروایا گیا۔معاہدہ پر حضرت امیر ایدہ اللہ کی ہدایت پر عامر عزیز صاحب، امام مسجد برلین نے دستخط کئے۔یہ پہلا موقع ہے کہ جرمنی کی کسی مسجد کے ریکارڈ کو قومی ریکارڈ کے طور پر محفوظ کرنے اور پھر اس کو قومی ادارہ سے منسلک کرنے کی سعادت نصیب حاصل ہوئی ہے۔

کتب کی نمائش میں ہماری شرکت

16 ستمبر۔''فیتھ ان ٹیون'' کی تنظیم نے تمام مذاہب کے تمدن اور مذاہب سے متعلق کتب کی نمائش کا اہتمام ڈسٹرکٹ ہال برلین میں کیا۔ہماری طرف سے بھی اس کتب کی نمائش میں حصہ لیا گیا۔اس موقع پر محترمہ خالدہ عبد اللہ صاحبہ نے کتب کی نمائش اور فروخت کی ذمہ داری بخوبی ادا کی۔انہوں نے بعض لوگوں کو تحفتہً کتب بھی پیش کیں۔برلین مسجد سے متعلق معلوماتی ہینڈ بلز بھی تقسیم کئے گئے۔اسی موقع پر ایک روسی صحافی نے حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ اور عامر عزیز صاحب کا اسلام اور تحریک احمدیت سے متعلق انٹرویو بھی ریکارڈ کیا۔یہ خاتون اس انٹرویو سے اتنی متاثر ہوئیں کہ انہوں نے جمعہ کو برلین مسجد میں آکر حضرت امیر کا خطبہ بھی ریکارڈ کیا اور اس کے علاوہ بھی دیگر موضوعات پر ان کی گفتگو ریکارڈ کی۔

(بقیہ صفحہ 16)

مدثر عزیز (مدیر) پیغام صلح انٹرنیشنل نے دفتر 8-7 برنیئر سٹریٹ 10713 برلن (جرمنی) سے شائع کیا

مخلصوں کی ہے کمی اور قدر دان ملتے نہیں

مردِ خدا مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ کی یاد میں

از: ملک بشیر اللہ خان راسخ

مقبول ہو گیا تھا جو امام علیہ السلام کی نگاہوں میں　　　نور دینؓ کی گود میں صدق و صفا کی بانہوں میں

محمد علیؒ کے قدر دان نہ شہر میں نہ گاؤں میں

بے وفا کبھی نہ تھا اور بے وفا نہیں ہوں میں　　　راسخ تو یاد کرتا ہے پنج وقت دعاؤں میں

محمد علیؒ کے قدر دان نہ شہر میں نہ گاؤں میں

کدورتوں کے شہر میں دشمنوں کی بھیڑ میں　　　لوزہ نہ دیکھا ہاتھ میں لغزشیں نہ پاؤں میں

محمد علیؒ کے قدر دان نہ شہر میں نہ گاؤں میں

ولایتیں نبوتیں تشخیص ایسی کر گیا　　　دشمنوں کا زور تھا منزلوں کی راہوں میں

محمد علیؒ کے قدر دان نہ شہر میں نہ گاؤں میں

عاجزی و انکساری سلسلہ کی ریت تھی　　　بے وفائی دیکھ لی دنیا کے خداؤں میں

محمد علیؒ کے قدر دان نہ شہر میں نہ گاؤں میں

مخلصوں کی ہے کمی اور قدردان ملتے نہیں　　　جس کو دیکھو کھو گیا اپنی ہی اناؤں میں

محمد علیؒ کے قدر دان نہ شہر میں نہ گاؤں میں

آتش صحرائی میں مسموم گرم ہواؤں میں　　　ٹھہرا کبھی نہ دھوپ میں، بیٹھا کبھی نہ چھاؤں میں

محمد علیؒ کے قدر دان نہ شہر میں نہ گاؤں میں

نازک جن کے پاؤں ہیں راستہ وہ چھوڑ دیں　　　تیز دھار خار ہیں سلسلہ کی راہوں میں

محمد علیؒ کے قدر دان نہ شہر میں نہ گاؤں میں

☆☆☆☆